Hindustani Academy
Regd. No. 11-9-27
Date
FILE No.

اِصلاحِ قوم وملّت

مُصنّفہٗ
مولٰینا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر مدظلہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مضامین شرر جلد پنجم

اصلاح قوم و ملت

ہمارے ریفارمر

ریفارمر تو انگریزی لفظ ہے۔ اسلام کے ساتھ ہزار کوشش کی جائے اس کا جوڑ نہیں بیٹھتا۔ اسکے مقام پر عربی کا ٹھیک لفظ مجدد ہے۔ اور یہ لفظ دین کی اصطلاحوں میں مقبولیت کے ساتھ رواج بھی پا چکا ہے۔ جن لوگوں کو انگریزیت کے ساتھ ایسی محبت ہے کہ بقول ہمارے ایک لایق دوست کے قرآن بھی پیرس ہی کا چھپا ہوا اپنے کتبخانوں میں رکھتے ہیں اور کیا عجب جو یہ چاہتے ہوں کہ نامہ اعمال بھی انگریزی میں لکھا جائے (چاہے سمجھ میں نہ آئے) انکے لیے ہم ریفارمر کا لفظ استعمال کرتے ہیں ورنہ ہمکو مجدد ہی کا لفظ پسند ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ہر صدی کی ابتدا پر ایک مجدد ہوگا جو دین اسلام کو از سر نو زندہ کر دیگا۔ اسلامی دنیا پر غور کیجیے تو ایک صدی میں بہت سے لوگ ایسے ملین گے جنکو مجدد ہونے کا درجہ حاصل تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کا زمانہ ان پہلے فقہا و محدثین کا تھا جنھوں نے فقہ کو خود ہی شروع کیا اور خود ہی انتہائے ترقی پر پہونچا دیا۔ اور جنھوں نے حدیث کو ایک فن بنا دیا اور اپنی پوری پوری عمرین اسکی تدوین میں صرف کر دین۔ اس میں شک نہیں کہ وہ

بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ کامیابی کا زمانہ تھا جس نے ایک دو نہین صدہا مجدد
پیدا کر دیے تھے اُن کی کوششون سے صرف اُنھین کی صدی کو نفع نہین
پہونچا بلکہ اُن کی دینداری کے جوش نے اسلام مین ایسی جان ڈالی جو
قیامت تک باقی رہے گی۔ وہ اپنی ہی صدی کے نہین اسلام کی پوری
عمر کے مجدد تھے۔ اِن اگلے عہد کے بعد جب اسلام مین خرابیان اور فتنہ
و فساد پیدا ہونے لگے تو اُنکے دفع کرنے کے لیے مختلف اوقات مین ایسے
علما پیدا ہوتے رہے جنھون نے اپنے زمانے کے اہل اسلام کے ساتھ وہی
کام کیا جو انبیاے بنی اسرائیل یکے بعد دیگرے یہود کے ساتھ کرتے رہے تھے
اسلام کا زمانۂ عروج اُن لوگون سے معمور ہے جو دین کی خدمت مین
اپنا مثل اور نظیر نہین رکھتے تھے۔ وہ لوگ جن کے حالات دریافت کرنے
کے لیے آج ہم تاریخ کے صدہا ورق اُلٹ ڈالتے ہین اور آجکل کے خیرخواہان
قوم جنکی علامات ڈھونڈھتے پھرتے ہین وہی ہمارے دین کے مجدد تھے۔ طبقاتِ
علما اور صدیہ کے فضلا کی سوانحعمری دیکھیے تو معلوم ہو کہ وہ کس رتبے کے
لوگ تھے۔ اور اُنھون نے جو کچھ کیا ہے اُس مین کوئی اُن کی شرکت کا بھی
دعوی کر سکتا ہے یا نہین۔ مشاہیر علما جن کے نام اور جن کی عظمت دریافت
کرنے کے لیے تاریخ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہین اور جنکا حال اسلامی
دنیا سے پوچھیے تو معلوم ہو اُن کا شمار بھی تو صدیان کیسی اُن برسون کے برابر
ہوگا جو ظہور اسلام سے لیکے ہمارے عہد تک گذرے۔ اس حیثیت سے کوئی مین جو
ہر صدی مین ایک مجدد بتایا گیا ہے شاید اس سے اقل تعداد مجددون کی مراد ہے
کیونکہ قیامت کے قریب والی صدیون مین جبکہ علم دنیا سے اُٹھ جائیگا کوئی
عجب نہین کہ ہر صدی پر ایک مجدد ہو۔ مگر آج سے بیشتر کے زمانے مین تو
ہر صدی مین صدہا ایسے گذرے جو بجاے خود ایک مجدد کی حیثیت رکھتے تھے۔
افسوس اگلے گذشتہ زمانے کے بےنفس علما کا یہ داب تھا کہ زمانہ اُنھین
مجدد مانتا تھا مگر وہ برابر انکار ہی کرتے تھے۔ اور اب ایسا زمانہ
شروع ہوا ہے کہ آج علما مین سے بعض بعض کو شوق ہے کہ اپنے کو مجدد کہلائیں

نواب صدیق حسن خان اور مولانا ابو الحسنات مولوی محمد عبد الحی صاحب مرحوم
کے باہمی مباحثات کو جس نے دیکھا ہوگا وہ سمجھ لیگا کہ اپنی اپنی زبان سے
مجدد ہونے کا کیونکر دعویٰ کیا گیا۔ مگر ہم کو اس سے کیا بحث - خدا کرے ایسا
ہی ہو۔

غور طلب یہ امر ہے کہ تجدید یا ریفارم جو کیا جائے تو کیونکر کیا جائے۔ ایک
عقلی فلسفہ جس میں انسانی ذہن بہت وسیع ترقی کر سکتے ہیں اُسکا یہ حال ہے
کہ اسلام کی ایک ہزار سال کی علمی وسعت اور ترقیوں میں دو ہی چار علما
ایسے ہوں گے جنھوں نے یونانیوں کے مسلمات کو توڑ کے فلسفہ کو نئے
اصول پر قائم کیا ہو۔ معلم ثانی کا خطاب جس شخص کو دیا گیا اُسکی نسبت ابھی
تک صریحی دعوے نہیں ہو سکتا لہذا اس نے سوا اسکے کہ فلسفہ کو نہایت خوبی
سے ایک جدید زبان میں منتقل کر دیا کسی قسم کی تجدید بھی کی۔ جب عقلیات
کا یہ حال ہے تو علوم نقلی جن پر دین کا دارومدار ہے اُن میں تجدید کرنا
نہایت دشوار کام خیال کیا جا سکتا ہے۔ رسالت جسوقت اپنا منصب پورا
کر چکی اور صریحی الفاظ میں کہدیا گیا کہ اب دین قیامت تک انھیں اصول پر
رہے گا اور اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوگا - پھر ریفارم یا تجدید کے کیا معنی؟
ظاہر ہے کہ تجدید کا لفظ جب دینیات میں استعمال کیا جائے گا تو اُس سے
لغوی معنی ہرگز نہ مراد لیے جائیں گے کیونکہ احکام الٰہی میں تغیر و تبدل نہیں
ہو سکتا۔ تجدید کے معنی اس موقع پر یہ ہونگے کہ دین نیا کر دیا جائے یعنی دین
کا جوش جو دنیا میں کم ہو گیا تھا وہ از سر نو پیدا کر دیا جائے۔ عبادت کا
ذوق و شوق۔ احکام الٰہی کی محبت۔ خالق کے تعلق نعمت خدا ترسی کی
برکتیں۔ جسکا مختصر یہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر جو دنیا میں کم ہو گئے ہوں
اُن میں پھر ترقی ہو جائے اور دل جو عصبیت کے زنگ سے خراب ہو گئے ہوں
اُن میں پھر جلا دیدی جائے - اصلاح دین میں تجدید کے یہ معنی ہیں۔ اور اسی
قسم کی کارروائی کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ سچا ریفارم ہے۔

آج کل جس قسم کے ریفارم کیے جا رہے ہیں اُن سے اسلام میں اصلاح

دن بدن روز بروز اور زیادہ خرابیان پیدا ہوتی جاتی ہین - وہ لوگ جو مقتدائی
کی مسند پر بیٹھے ہین انھون نے ریفارمر کا وزنی لفظ جو یورپ کے اور ولایتی
اسباب کے ساتھ ہندوستان مین آیا ہے ابھی تک نہین سنا - ہان اُنکو مجدد
کا لفظ پیش پا افتادہ ملتا ہے - اگرچہ انھون نے کسی دل کو بھی اسلام کا سچا
پُرجوش متبع نہین بنایا - ایک شخص بھی اُنکے پند و نصائح سے ایسا نہین ہوا
کہ اسلام اور دین نبی ہاشمی کا درد مند ہو جاتا - وہ اپنی علمی تحصیل اور اپنے
شاگردون کی کثرت پر مجدد ہونے کے مدعی ہین - تمام علما کے گروہ مین اگر
کسی شخص پر یہ خطاب کچھ پھبتا ہے تو وہ شیخ الکل اور سند الوقت جناب
مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی ہین - کیونکہ اُنکی برکت سے
محبت رسول اللہ اور پابندی سنن رسولؐ ہندوستان مین پھیلی - حدیث کو
یہان کے علما نے چھوڑ دیا تھا جس کے متروک ہو جانے سے اسلام کے بہت
بڑے بڑے اصول درکنار خود توحید مین فرق آگیا تھا - مولانائے ممدوح کی کوشش
سے اس مقدس علم کو ایسا رواج ہوا کہ آج ہر شہر اور ہر قریہ مین کچھ نہ کچھ
چرچا ضرور ہے -

دوسری طرف وہ جماعت ہے جو عربی تعلیم کو تعلیم ہی نہین خیال کرتی ا
تعلیم یافتہ کا لفظ خاص اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے - اُنکے نزدیک لفظ مجدد
کوئی وقعت نہین رکھتا کیونکہ ان لوگون کے خیال مین مجدد کا انتظار ہی ایک قسم
کی ضعیف الاعتقادی ہے - ہان لفظ ریفارمر کچھ ایسا پیارا معلوم ہوا ہے کہ ہر
انگریزی دان نوجوان ریفارمر بنا چاہتا ہے - ہمین بھی افسوس ہے کہ یہ خطاب
نوعمرون ہی مین صرف ہو گیا تو وہ تجربہ کار اور سن رسیدہ حضرات جنھون نے
دراصل ان موجودہ خیالات کو ہندوستان مین پھیلایا ہے اپنے لیے کونسا خطاب
اختیار کرین گے؟ مگر ریفارمر کا لفظ عام اس سے کہ نوعمرون مین رہے یا بو
تعلیم یافتون مین افسوس اسلام کے حال پر دونون کی توجہ ایک ہی قسم کی ہے
ثابت ہے کہ انگریزی جدید فلسفہ نے دونون کو آزاد بنا دیا ہے - اپنی اصلاح یا
ریفارمیشن کا کام کرتے وقت امید نہین کہ ایک کو بھی یہ خیال رہے کہ دین

آئین و قوانین تبدیل کیے نہین جاتے ہین اور نہ اُسکے جزئیات مین عقلی
معرکہ آرائیون کی گنجایش ہوتی ہے۔ جس ادب اور جس عظمت کی نظر سے ایک
پیغمبر برحق کی تعلیمات کو دیکھنا چاہیے اُس ادب سے دیکھنے والون سے تو دنیا
خالی ہو گئی۔ جن لوگون نے اصلاح کا کام اپنے سر لیا ہے وہ اُس قسم کی اصلاح
کرنا چاہتے ہین جیسے کہ ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت پر تصرف کرتا تھا۔ اگر
اسلام نے گنجایش دی ہوتی تو ہم اپنے موجودہ ریفارمرون کو پیغمبر مان لیتے۔ مگر
کیا کرین جبکہ ہمین بتا دیا گیا ہے کہ اب چونکہ پیغمبر نہین پیدا ہو سکتے لہذا جو کوئی
اس قسم کا کام کرنا چاہے وہ بجز مخرب دین کے اور کسی قسم کا خطاب نہین
پا سکتا۔

پھر اور پچھلے عیسائی پادریون نے جس قسم کا ریفارم دین عیسوی مین
کیا موجودہ اسکولون کے تعلیم یافتہ مسلمان چاہتے ہین کہ اُسی قسم کا ریفارم
اب اسلام مین بھی کیا جائے۔ مگر قطع نظر اسکے کہ دین مسیحی مین بھی وہ ریفارم
ناجائز بلکہ بے دینی کا حیلہ تھا۔ اگر خیال کیا جائے تو اسلام اور عیسائیت
مین بڑا فرق ہے جس کی وجہ سے یورپ کے ریفارم کا قیاس اسلام پر نہین
کیا جا سکتا۔ صاف ظاہر ہے کہ دین مسیحی کوئی شریعت لے کے نہین آیا تھا۔ بلکہ
مسیحی احکام اور اعمال مین شریعت موسوی کے تابع تھے اور توراۃ ہر مسئلہ مین
اُنکا مرجع تھی۔ آخر یہودیون کی عداوت نے عیسائیون سے توراۃ مقدس کی پابندی
بھی چھڑا دی۔ دین عیسوی پر ان آخری زمانون کے پہلے ایک ایسا زمانہ گذرا
تھا کہ وہ کسی شریعت کے پابند نہ تھے۔ یہ پادریون کی زبان قوم کے لیے ایک
شریعت بن گئی تھی۔ پادریون نے اُن دنون اپنے ناجائز استحقاق کے ذریعہ
سے تمام حظوظ اور نفسانی خواہشون مین کامیابی حاصل کی اور دین مسیحی
ایسی خرابیون مین مبتلا ہو گیا کہ اگر ریفارمر نہ پیدا ہوتے تو دنیا عجب
خرابیون مین پڑ جاتی۔ بخلاف اسکے اسلام ایک مضبوط شریعت رکھتا ہے جو
کل گذشتہ اُمم کی شریعتون سے زیادہ مضبوط ہے۔ بلکہ دعوے کے ساتھ کہا
جا سکتا ہے کہ اسلام اس فضیلت خاص مین منفرد ہے۔ اسلام نے اپنے ابتدا

انھون نے وقت ایک ایسا قانون اور آئین بنا کے اپنے پیرو دن کے ہاتھ مین دے دیا تھا کہ اُس مین کسی قسم کی دخل دہی کی گنجائش ہے اور نہ کوئی اس بات کا موقع پا سکتا ہے کہ کسی جزئی مسئلہ مین بھی تغیر و تبدل کر سکے بعض غیر متعصب مورخین کا یہ فیصلہ نہایت عمدہ ہے کہ نبی ناصری یعنی حضرت مسیح کو اپنے دین کی تکمیل کی بابت مہلت نہین ملی اور اسی وجہ سے دین عیسوی ایک ناقص مذہب رہ گیا۔ اگر عیسائی علما نے اپنی ناقص شریعت کے مضبوط بنانے کے لیے کوششیں کین اور مسیحی تعلیمات مین اپنے قیاسات کو دخل دیا تو کیا ضرور ہے کہ ہم پیغمبر ہاشمی کی مضبوط اور ہر حیثیت سے درجہ کمال پر پہونچی ہوئی شریعت مین بھی دخل دین۔

دین اسلام

ہمارے سامنے اسوقت اس نام کا وہ قیمتی اور مختصر رسالہ رکھا ہوا ہے جو لیورپول واقع انگلستان کے ایک مشہور اور نامور شخص مسٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ کوئیلیم نے چھپوا کے شائع کیا ہے۔ مسٹر کوئیلیم کی نسبت مشہور ہے کہ انھون نے بہت کچھ غور و فکر کے بعد دین اسلام کو قبول کیا۔ اور اُس سرزمین مین جہان تثلیث کے سوا توحید کی آواز بہت کم سُنی گئی ہوگی یہ پہلے شخص ہین کہ بالکل اسلامی اصول اور نبی عربی صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیٰ آلہ کی تعلیمات کے مطابق خالص اور سچی توحید کے مدعی اور منادی ہین۔ اپنے رسالہ کے پہلے ورق کو انھون نے مسٹر [illegible] کے ایک ایسے پُر زور اور موثر جملے سے شروع کیا ہے کہ اُس کے ذریعہ سے ہر شخص ایک مسلمان کی سچی شان کا اندازہ کر سکتا ہے۔ وہ جملہ یہ ہے "مین مسلمان کو پسند کرتا ہون۔ وہ اپنے خدا سے شرمندہ نہین ہے۔ اُس کی زندگی خالص پاک و صاف ہے"۔

اس رسالہ کو دیکھ کر لوگ اندازہ کر سکتے ہین کہ اسلام باوجود اپنی اس ناتواں حالت کے خود پیروان اسلام کو اُس کی حقیقت ثابت کرنے مین ذرا سرگرمی نہین کی سچ اور واجب التسلیم مسئلہ ہے کہ جب کوئی اپنے قدیم خیالات سے ہٹ کے دنیا کے عام مذاہب پر ایک سرسری نظر ڈالے خود اپنے کانشنس

کی ہدایت کے بموجب اسلام نے تسلیم کر لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ "الحق یعلو ولا یعلیٰ" (حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا) یقیناً قابل قبول ہے۔ مگر اسکا ظہور آخر میں اور بہت مصائب کے بعد ہوتا ہے۔ شاید اسلام کے لیے اُسکی موجودہ تباہیوں کے بعد اب وہ زمانہ آیا ہے کہ اس قسم کے پہلوؤں سے اُسکی راستی اور اُسکی خوبیاں ثابت ہوں۔ کیا عجب کہ خدا نے جب ہم لوگوں اور عموماً قدیم پیروان دین اسلام اور ہندوستانی قوم عرب کو اس قابل نہ پایا کہ اُن سے دین حق کو کسی قسم کا فائدہ پہونچ سکے یا اُسکی برگزیدہ شریعت کی خدمت کر سکیں تو اُس نے ایک تربیت یافتہ قوم میں سے منتخب کر کے ایک غیر شخص کو اپنے دین کی تقویت کے لیے بھیجا ہو۔ الغیب عند اللہ۔ کوئی کیا جان سکتا ہے کہ مسٹر کوئی لیم جیسے شخص جو منجانب اللہ ہیں۔ انکا قلم وہی اثر نہ پیدا کرنے والا ہو جو چند ہی روز میں عرب کی تلوار نے حاصل کر لیا تھا۔ ہمارے قدیم فوجی مشنوں نے ایشیا اور افریقہ کو فتح کیا تھا۔ مسٹر کوئی لیم اُنھیں کے مطابق اپنے زبانی اور قلمی جہاد سے باقیماندہ حصۂ دنیا یورپ اور امریکہ کے فتح کرنے والے نہ ہوں۔ واقعی ہمیں اُنکے علمی خیالات سے اسی قسم کا دھوکا ہوتا ہے۔ ع شاید کہ درین گرد سوارے باشد۔ اگر مسٹر کوئی لیم نے ذرا بھی سرگرمی دکھائی تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہمارے پُرجوش ہم مذہب انکی مدد کو تیار ہو جائیں گے اور کامیابی کی سبیل بھی جلد تر پیدا ہو سکے گی۔

اپنے رسالے کی ابتدا ہی میں مسٹر کوئی لیم نے اسلام کے اصلی اخلاق اور واقعی حالات دکھانے کے لیے ڈیوڈ ارکھارٹ کی کتاب "سپرٹ آف دی ایسٹ" کا ایک جملہ نقل کیا ہے جو مذہب کی بابت اسلام کی یہ سب سے مختصر اور سب سے عمدہ تعریف ہے۔ ڈیوڈ ارکھارٹ نے لکھا ہے "اسلام بحیثیت مذہب نہ تو نئی تعلیمیں دیتا ہے نہ نئے الہام بتاتا ہے۔ نہ نئے مسائل سکھاتا ہے۔ نہ اس میں عیسائیوں کی ایسی پیر پرستی ہے۔ نہ وہاں دیسی گرجے کی حکومت ہے۔ وہ انسان کے بتدریج ایک شریعت دیتا ہے

ملک میں ایک اصلاح نمایاں کرتا ہے۔ اور ان دونوں کو مذہب سے قوت
پہونچتی ہے۔ ... کی یہ رائے آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور یہی وجہ
ہے کہ یورپ کے کل پڑھے لکھے غیر متعصب لوگوں نے تسلیم کر لیا۔

یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ اسلام کے جتنے اصول مضبوط اور جیسے واجب التعظیم
ہیں ان سے کوئی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا۔ دنیا کے تمام مذاہب کو جب
دیکھیے تو اس وقت یہ خیال ضرور پیدا ہوگا کہ اس میں کسی نہ کسی ریفارم کی ضرورت
ہے یعنی اگر کسی مذہب کے پیرو اسے دنیا کے سامنے علی الاعلان پیش کرنا چاہیں
تو انھیں مجبور ہونا پڑے گا کہ اپنے دین میں تھوڑا بہت تغیر و تبدل کریں برخلاف
اسلام کے۔ اس میں کسی قسم کی ترمیم کی ضرورت نہیں۔ ممکن نہیں کہ کوئی شخص
دین اسلام میں ریفارم کا نام لے سکے۔ جو لوگ اندنوں ریفارمر بنتے ہیں اور
اسلام میں ریفارم کے مدعی ہیں سخت غلطی پر ہیں۔ اور بعض دین اسلام کے
خود ان کے دماغ قابل اصلاح ہیں۔ ہاں اسلام میں اگر ضرورت ہے تو اس
مٹے ہوئے جوش کے از سر نو پیدا کرنے اور متروکہ واجب العمل اصول کے پھر
رواج دینے کی۔ جس محل پر انگریزی کا لفظ ریوائیول استعمال کیا جا سکتا ہے جسکے
معنی از سر نو زندہ کرنے یا تجدید کے ہیں۔

مسٹر گوڈنی ہیم نے اسلام کے تمام عقائد اور اصول پر مختصر بحث کی ہے اور
دیگر مذاہب کے تقابل میں انھیں کو برحق مانا ہے۔ ایک ایسا شخص جو عیسائی و
معزز خاندان کا ہو، جو عیسائی سکولوں کا تعلیم یافتہ ہو، عیسائیوں ہی میں جسکی
زندگی شب و روز بسر ہوئی ہو اور ہوتی ہو۔ بلکہ جسنے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ خود
عیسائیت ہی میں بسر کر دیا ہو وہ جب اسلام کا دعوے کرے تو دیکھنا چاہیے کہ
اس نے کن باتوں کی بنیاد ڈالی ہے جو مسلمانوں اور مسیحیوں میں ہمیشہ سے باب النزاع
بنے رہے ہیں۔ تثلیث و توحید سے بڑھکے اس قسم کا اور کونسا مسئلہ ہو سکتا ہے
مسٹر گوڈنی ہیم کے وہ خیالات جو اس بحث کے متعلق ہیں ہم نقل کرتے ہیں۔
ان سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ اسی بحث پر انکے عیسائی ہونے یا مسلمان ہونے کا انحصار
ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مسلمانون کے اولوالعزم رسولون مین سے پانچوین جناب مسیح (علیہ السلام)
ہین - جنکو عیسائی اپنا نجات دہندہ خیال کرتے ہین اور خدائے واحد کا ہم پایہ
بتاتے ہین - فی الحقیقت دین مسیحی اور اسلام کے اعتقاد مین یہی بہت بڑا
اختلاف ہے - ایک معمولی عیسائی جو اپنے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہو تثلیث
پر جامد یقین رکھتا ہے اور جب اُس سے سوال کیا جائے کہ تثلیث مین کون
کون شامل ہے تو صاف کہدے گا کہ باپ - بیٹا - روح القدس - اور اگر
زیادہ توضیح کی جائے تو شاید بتائے گا کہ تین شخص مگر ایک خدا - پھر پوچھا جائے
کہ یہ تو بخوبی سمجھ مین نہین آتا اس سے کیا مقصود ہے تو کہدیگا کہ یہ ایک راز ہے
لفظ تثلیث کوئی مذہبی لفظ نہین ہے اور نہ عیسائیون کی الہامی کتاب
مین کہین اسکا پتہ ہے - الوہیت کے اقانیم ثلاثہ کے اتحاد پر اپنا اعتقاد ظاہر
کرنے کے لیے دوسری صدی عیسوی مین یہ اصطلاح اہل کلیسا مین پیدا ہوئی -
بہت بڑے بڑے فلسفیانہ خیالات قائم کرنے والے اس خیال کا مفہوم بتانے
سے عاجز ہین اور جو کچھ اُن کی زبان سے سُنا جاتا ہے اُسکا مفہوم دوسرے
الفاظ مین یہ ہے کہ وہ ایک قسم کی عذر خواہی کرتے ہین یا اعتراف کرتے ہین کہ
یہ راز تثلیث بالکل ممتنع الاظہار ہے - ہم اپنے دعوے کے ثبوت مین ڈاکٹر
رابنسن کے خیالات ظاہر کرتے ہین جو اس مسئلہ تثلیث مین لکھتے ہین کہ انسانی
عقل کی رسائی اور اُسکے خیالات کی انتہا سے اس مبارک مسئلہ تثلیث کا درجہ بہت
بلند ہے یعنی وہان تک ممکن نہین کہ کسی کی عقل پہونچ سکے - دین مسیحی پر جو
الزام آتا ہے اُسکو جس خوبصورتی کے ساتھ ڈاکٹر رابنسن نے بیان کیا وہ تحسین
کا حصہ تھا - اور فی الحقیقت انھون نے عیب کو ہنر کر دکھانے مین پوری کامیابی
حاصل کی ہے - لیکن ڈاکٹر صاحب کے اس خیال پر مسٹر لوئی لیپے نے جو ریمارک
کیا ہے وہ بھی بڑے مزے کا ہے -

وہ فرماتے ہین کہ اگر ایسا ہی ہے تو سکندریہ والون کا اعتقاد قدیم -
اہل مصر کی دیو بانی - فلاطون کے الٰہی مسئلون کی تعلیمین - اور موجودہ ہندوون
کے معتقدات بھی انسانی عقل کے دائرہ سے باہر اور اسی قدر کے الہامات

ہوتی ہے ... ہم کو کوئی مسیحی مسلمہ مذہب ... سے بڑھکر ایک دوسرا
مصنف صاحب اس مسئلہ کی نسبت فرماتے ہین "ٹھیک اور صحیح رائے یہی ہے
کہ عیسائیون مین مسئلہ تثلیث صرف اعتقاد و ایمان لینے کے لیے ہے سمجھنے کے
لیے نہین ہے - اور سوا اُس قدر کے جس قدر خدائے تعالیٰ نے اپنے الفاظ سے
فرمایا ہے اس مسئلہ مین زیادہ بحث کرنا غلطی بلکہ اکثر اوقات خوفناک ہے۔
اور یہ بات کہ عیسائیون کو اور حیرت ہوگی کہ تمام انجیل مین اول سے آخر تک
دیکھ جایئے ایک جملہ بھی نہین ہے جس سے یہ اصول تثلیث ثابت کیا جاسکے۔
صرف ایک ہی جملہ ہے جس سے تثلیث ثابت کی جاتی ہے۔ انجیل یوحنا کے
کسی باب کی ایک آیت مین ہے "باپ - لفظ اور روح قدس - اور یہ
تینون اصل مین ایک ہی ہین - مگر اسکے ساتھ اس مشہور واقعہ کا بھی خیال
رہے کہ جو کمیٹی بائبل کی تحقیق و تنقیح کے لیے بٹھائی گئی تھی اُس نے اپنی تحقیق
کے مطابق بائبل سے اس آیت کو نکال ڈالا تھا اور صاف کہدیا تھا کہ "ایمان
کی تو یہ ہے کہ یہ آیت انجیل مین رکھنے کے قابل نہین ہے"۔

مسٹر کوئی لیم نے اسکے بعد لکھا ہے کہ آؤ ہم اسکا فیصلہ اسی کے مطابق
کیون نہ کرین جیسا کہ خود حضرت مسیح نے کیا تھا - ایک سردار نے جناب مسیح کی
خدمت مین عرض کیا "میرے اچھے مالک مین کیا کرون کہ حیات سرمدی
حاصل ہو - تو اسکے جواب مین انھون نے فرمایا "مجھے کیون اچھا کہتا ہے؟
کوئی اچھا نہین ہے سوا ایک کے - وہ خدا ہے" (لوقا - باب ۵ - آیت ۱۸
و ۱۹) جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو اس ایک ذات مطلق مین شامل کیے دیتے
ہین وہ اس واقعہ کو غور سے پڑھین -

یہان تک بیان کرکے مسٹر کوئی لیم فرماتے ہین "عیسائیون کے مطابق تثلیث
کے خیالات تو ہم نے ظاہر کر دیے - اب ہم دیکھین دین اسلام کے خیالات حضرت
عیسیٰ کی نسبت کیسے ہین - اسکو ہم اس سے زیادہ عمدگی کے ساتھ بیان نہین
کر سکتے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ مائدہ مین ہے "مسیح بن مریم اُس کے (خدا
کے) رسول اور اسکا وہ کلام تھے جسکو خدا نے مریم کے پیٹ مین پھونکدیا تھا"

اسی مسئلہ مین دونوں مذہبوں کے خیالات کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جسکو دونوں مذہبوں سے علاقہ نہو اُسکو ترجیح دیگا - بیشک اسلام کو ترجیح دیگا - توحید ایک مسئلہ ہے جسپر تمام عمدہ مذاہب کی بنیاد قائم کی گئی ہے - بلکہ سچ تو یون ہے کہ صرف توحید ہی تمام مذاہب کا معیار ہے جس مذہب نے توحید کو جس قدر زور دے کے اور زیادہ صفائی سے ثابت کیا ہو اور جسکو جس قدر زیادہ تعلق قرب توحید سے ہو اُسی قدر زیادہ یقین اُس مذہب اسکی حقیت کا کرنا چاہیے - یہ فیصلہ عام عقلا کر چکے ہین اور اسی پر مسٹر کوئیلیم نے بھی زور دیا ہے - کہ جناب محمد صلعم صرف خدا کی اس غرض کو پورا کرنے کے لیے دنیا مین تشریف لائے تھے کہ یہود و نصاریٰ نے توحید مین جو خرابیان پیدا کر دی ہین اور موسیٰ و عیسیٰ کی بتائی ہوئی توحید کو غارت کر دیا ہے وہ انسانی لغزشون سے پاک و صاف کرکے پھر اپنی اُسی قدیم خالص خالص حالت پر پہونچا کے تمام عالم مین پھیلا دی جائے - اور چونکہ آنحضرت حق پر تھے لہذا آپ کو کامیابی ہوئی - اور جو اس سچے خدا کے بھیجے ہوے مشنری کے مخالف ہوا خود خراب اور تباہ ہو گیا -

یہ رسالہ اگرچہ بہت چھوٹا اور محدود ہے مگر مسٹر کوئیلیم نے اس مین تمام اسلامی عقائد مختصراً بیان کر دیے ہین - اور گویا مسلمانون کی ایک اعتقادی کتاب کتاب لکھدی ہے - بہتر ہو اگر یہ کتاب ہندوستان کے اسکولون مین اسلامی کورس مین منتخب کر لی جائے - خصوصاً ہماری توجہ انجمن حمایت اسلام لاہور کی طرف ہے جو گویا اپنی پرجوش کاروائیون سے ایسی راہون کی منتظر رہا کرتی ہے -

مسٹر کوئیلیم تمام اعتقادات اسلامیہ بتا کے لکھتے ہین "دین اسلام ایسا دین ہے اور دنیا کے اُن ایک سو اسی ملین آدمیون کا ایسا اعتقاد ہے جو آج تک دنیا کے پچھلے اور بہت بڑے پیغمبر محمد صلعم کی شریعت پر چلتے ہین اور ہر روز دن اور رات مین پانچ مرتبہ خداے واحد ذوالجلال کے سامنے سر جھکا کے نماز ادا کرتے ہین - دین اسلام مراکش سے لیکے افریقہ کے تمام شمالی ساحل پر پھیلا ہوا ہے - اور زنجبار کو لیتا ہوا ٹرانسوال تک جنوب کی طرف

پھیلا لیا ہے - مصر - سلطنت ترکی - عرب - ایران - افغانستان اور ترکستان پر حکو
رہا ہے - اسکے اکتالیس ملین جان نثار ہندوستان میں آباد ہیں - بہت قوت
کے ساتھ ملایا وغیرہ میں ہے - اور اب سرزمین چین میں بھی اُس نے مضبوط قدم
جما لیا ہے - اُس کی ترقی کے لیے مسلمان واعظوں کی کوششیں اکثر مقامات پر
کامیاب ہوتی جاتی ہیں "

اسکے بعد مسٹر کوئیلیم اہل انگلستان کی طرف مخاطب ہو کے کہتے ہیں -
" یہ وہ اخوت اور بھائی چارہ ہے جسکی طرف ہم اپنے اہل وطن اہل انگلینڈ کو بلاتے
ہیں - یہ وہ دین ہے جسکو ہم انکے سامنے پیش کرتے ہیں کہ قبول کریں "

اس رسالہ کو دیکھ کے ہر شخص کو یقین آسکتا ہے کہ مسٹر کوئیلیم گذشتہ دیگر
مورخین یورپ کی طرح صرف ایک رائے قائم کرنے والے اور فلسفیانہ حیثیت سے
بحث کرنے والے شخص نہیں ہیں بلکہ ان کے دل میں خدا نے اپنے دین کا نور
ڈال دیا اور انھوں نے اُس نور کے دکھانے سے دیکھا کہ دنیا اسلام سے زیادہ اچھا
اور سچا مذہب پیش کرنے سے عاجز ہے - اور اسی اعتقاد پر وہ مسلمان ہو گئے - صرف
یہی نہیں بلکہ ان کے ہموطنوں میں سے اور بھی چند لوگوں نے حق پسندی میں اُنکا
ساتھ دیا - فللہ الحمد -

اب ہم اُن دوستوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو گویا دین اسلام کی تبلیغ
کے لیے سفر یورپ پر تلے بیٹھے ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ اس مشن میں ہندوستان
اُن کا ساتھ دے گا - اور اُن کی اعانت اور ہمدردی کے لیے اطراف ہند سے برابر
لبیک کی پرجوش آوازیں آنا شروع ہو جائیں گی - وہ اپنے مشن میں مسٹر کوئیلیم
سے مدد لیں - اور اگر مسٹر کوئیلیم اُن کی مدد کا وعدہ کریں اور تھوڑی بہت کامیابی
کی اُمید دلائیں تو اُنکو چاہیے کہ وطن کو خیرباد کہیں اور زبان سے یہ صبر و تحمل کا
مصرع سنا لیں کہ " دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا " خدا نے چاہا تو اُنکو
اپنے مشن میں ضرور کامیابی ہوگی اور تائید غیبی اور مسٹر کوئیلیم کی سرگرمی اور اسپیکری
سے مدد مل جائے گی -

ہمارے دوست مولوی ریاض الدین احمد صاحب جنکا جوش اسلامی

ہندوستان بھر میں مشہور ہے۔ اس بنا پر سفر سے پہلے ہی مستعدی ظاہر کر رہے ہیں۔
اس کام کی طرف مولوی حسن علی صاحب مشہور اسلامی واعظ نے پہلے بہت زیادہ توجہ کی تھی لیکن وہ اپنی کوششوں میں تھک گئے اور آخر انھون نے تھک کے کہہ دیا کہ فراہمی چندہ کا اہتمام مجھ سے نہین ہو سکتا۔ مگر مولوی ریاض الدین احمد صاحب نہین تھکے ہین۔ خدا کرے انھین کامیابی ہو اور وہ مولوی حسن علی صاحب کو بھی اپنے ہمراہ لیے جلد تر یورپ کے عازم ہو سکین۔ آمین۔

قدیم مسیحیون کی ضعیف الاعتقادی

ان دنون مسلمانون مین طرح طرح کی ضعیف الاعتقادی کے خیالات پھیلے ہوے ہین جنھین واعظ اور ذاکر جھوٹی بے سروپا روایتون مین بیان کر کر کے اور چمکاتے رہتے ہین۔ اس قسم کی کہانیان جب زیادہ مشہور ہوتی ہین تو سچی اور صحیح روایتون پر غالب آجاتی ہین اور سچے محتاط اور ٹھیک ٹھیک حالات و عقائد بیان کرنے والے علما کی تقریرون مین کسی کو مزہ نہین آتا۔ اس لیے کہ لوگ مذہبی صحبتون مین ایسی داستانین سننے کے عادی ہو جاتے ہین جنھین الف لیلہ یا امیر حمزہ کی داستان کی شان پائی جاتی ہو۔

یورپ کی تعلیم نے مسیحی دنیا سے اس قسم کے خیالات اور ایسی لغو روایتون کا رواج اٹھا دیا ہے۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عیسائی ہمیشہ سے ایسے تھے۔ ان کی قدیم روایتون کا پتہ لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہی تین صدی پیشتر وہ ہمارے عوام سے بھی زیادہ ضعیف الاعتقاد اور ہماری مذہبی کہانیون سے بھی زیادہ مزخرف روایتون کے دلدادہ تھے۔

ذیل کی قرون وسطی کی یہ روایت سننے کے قابل ہے:- فرانس کے شہر کولونیا کے قریب مقدس بطرس کی خانقاہ تھی جہان مین ایک نہایت ہی بدکار اور ناخدا ترس راہب رہتا تھا۔ لیکن چاہے خدا کی طرف سے کیسا ہی بے پروا ہو بطرس حواری سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ اتفاق قبل اس کے کہ کسی مقتدا کے سامنے اقرار گناہ کا موقع پاتے ناگہان مر گیا اور حسب معمول عذاب کے

فرشتے [illegible] جانے [illegible]۔ ایسے خالص عقیدت کیش کے ہاتھ سے جانے پر پطرس حواری کو بڑا صدمہ ہوا۔ اُنھون نے خدا کی درگاہ مین جا کے درخواست کی کہ "اسے جنت مین جگہ ملے"۔ مگر یہ دعا نہ قبول ہوئی۔ اور باوجودیکہ اس پاک حواری کے ساتھ تمام ولیون، حواریون، فرشتون، اور شہیدون کی بھی دعا تھی مگر ایک نہ سُنی گئی۔ تب پطرس نے خدا کی دوشیزہ ماں کی طرف توجہ کی۔ اور حاضر ہو کے عرض کیا "خوبصورت خاتون۔ اگر آپ نے شفاعت نہ کی تو میرا راہب گیا گذرا ہوگا۔ جو امر ہمارے لیے غیر ممکن ہے۔ مگر آپ کا یہ ایک معمولی کھیل ہے۔ مہربانی کرکے ہماری مدد کیجیے۔ اگر آپ ایک لفظ بھی کہہ دیگی تو آپ کا بیٹا ضرور مانے گا۔ اس لیے کہ اُس پر آپ ہی حکومت کر سکتی ہین"۔ ملکۂ مریم (والدۂ خدا) نے اس درخواست کو قبول کیا۔ اور تمام کنواریون کو ساتھ لے کے اپنے بیٹے کی طرف چلین۔ وہ خدا جس نے خود بھی یہ حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کی تعظیم کرو جیسے ہی اپنی والدہ کو آتے دیکھا استقبال کو اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے کے پوچھا "آپ کیا فرماتی ہین؟" خلاصہ یہ کہ حضرت مریم نے شفاعت کی۔ خدا نے منظور کی۔ اور اُس راہب کو نجات ملی:۔

اسی طرح اس روایت کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا: "ایک ڈاکو تھا جس کا معمول تھا کہ جب ڈاکہ زنی کے لیے گھر سے نکلتا پاک کنواری کی طرف حضور قلب سے توجہ کرکے دعا ضرور مانگ لیا کرتا تھا۔ آخر ایک دفعہ پکڑا گیا۔ اور اُسکے لیے حکم ہوا کہ پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ عین اُسوقت جبکہ اُس کے گلے مین رسی ڈالی جا چکی تھی اُس نے پاک کنواری مریم کی طرف توجہ کرکے دعا مانگی۔ چوبے اثر کیے نہ رہی۔ فوراً اُس دوشیزۂ پاک نے اپنے گورے ہاتھ پر اُس کے پاؤن ٹکا لیے۔ اور دو روز تک اسی طرح اُسے اپنے ہاتھ پر لیے رہی۔ جلاد نے جب دیکھا کہ یون دم نہین نکلتا تو ارادہ کیا کہ تلوار سے اُس کا سر اُڑا کے فیصلہ کردے۔ مگر وہی ازعیبی ہاتھ جو پہلے پاؤن کو ٹکائے ہوے تھا تلوار کے روکنے کو بڑھا۔ اور آخر جلاد مجبور ہوے کہ اس معجزے کو

تسلیم کرین اور اُسے نہین چھوڑ دین۔

ریاست حیدرآباد اور معلم نسوان

زمانے کا پہیہ بہت تیزی سے چل رہا ہے۔ اور اُس سے جو آواز نکلتی ہے کسی کے دبائے نہین دب سکتی۔ لہذا جن آزاد خیالیون کو زمانہ اپنے خاص خاص نقیبون کے دماغ مین پیدا کرتا ہے وہ اُنکے ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہین۔ وہ چاہے کہنے اور ذکر کرنے کا ارادہ کرین اور ہزار چھپانے کی کوشش کرین مگر خود زمانہ ایک ہاتف غیب کی طرح اُن کی زبان اور اُنکے منھون سے اپنی آواز بلند کرتا ہے۔ اور اس زور و شور سے کہ ہر موافق و مخالف کو وہ آواز سننا ہی پڑتی ہے۔ تم اپنے کانون مین روئی بھر لو۔ انگلیان دے لو۔ دونون کان زور سے بند کر لو۔ ہزار تدبیرین کرو۔ مگر اس آواز کو خواہ برضا و رغبت سنو خواہ بجبر و اکراہ۔ سنو گے ضرور سنو گے۔ اور ہزار بار تمھین سننا پڑے گی۔

زمانے کے یہ نقیب ہر عہد اور ہر دور مین پکارتے رہے ہین۔ تمام مذہب، تمام تہذیبین، تمام اصلاحین، اور دنیا کی ساری ترقیان انھین ایسے ہی زمانے کے خود فروش و خود فراموش نقیبون کی صداؤن کا نتیجہ ہین۔ جن نقیبون کے بتائے ہوے اصول تم مان چکے ہو اور جن کو خواہ کسی حیثیت سے خواہ مذہب کے طریقے سے تم تسلیم کر رہے ہو انھون نے بھی جب پہلے پہل اپنی صدا بلند کی تھی تو تمھارے بہت سے بنی نوع بھائیون نے یہی کوشش کی تھی کہ نہ سنین۔ وہ بھاگ گئے تھے۔ بھڑک گئے تھے۔ اُنھین سن کے وحشت ہوئی تھی۔ انھون نے کانون پر ہاتھ دھرے تھے۔ کانون مین روئی رکھ لی تھی۔ سب ہی کچھ کیا تھا۔ مگر مصداق۔ گر نہ ستانی بستم می رسد۔ وہ آواز سنی۔ اور ایسی سنی کہ آج اُنھین کی سنت مین تم سب بے تذبذب بے حجت اُس آواز کے احکام کو قبول کر رہے ہو۔

تو زمانے کی یہ آواز ہمیشہ سنی گئی۔ اور ہر قرن مین لوگ اُسکے سُننے پر مجبو

[illegible] اور غیر معمولی تندی کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کی طرف زیادہ توجہ ہے تحقیق و تنقیح کا دروازہ کھُل گیا ہے۔ معلومات کا خزانہ ساعت بہ ساعت زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ بڑی بڑی نادر و نایاب کتابین عام طور پر ملنے لگی ہین۔ اور سب سے زیادہ اس سبب سے کہ سلطنت نے آزادی دیدی ہے اور اجازت دے رکھی ہے کہ تحقیق و تنقیح مین جو جہان تک چاہے سرگرمی دکھلائے کوئی بازپرس نہ کی جائے گی۔ پھر اسکے ساتھ زمانہ لالچ دلا رہا ہے کہ اس آزادی و معلومات سے جو جتنا زیادہ فائدہ اُٹھائے گا اُتنا ہی زیادہ بقاے دوام کے حاصل کرنے کا مستحق ہوگا۔ یہ باتین ہین جن کی برکت سے ہر ایک اپنی لیاقت اور حوصلے کے موافق اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور جو جس کو مناسب اور صحیح معلوم ہوتا ہے ہمقوموں اور ہموطنوں سے پکار کے کہہ دیتا ہے۔ الغرض ایک ایسی عام تحقیق کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے کہ کہین اخلاقی بُرائیان مٹائی جا رہی ہین کہین مذہب کا چشمہ جہالت کی رسمون اور غیر معتبر روایتون سے پاک کیا جا رہا ہے۔ کہین فلسفہ کی جانچ پڑتال ہو رہی ہے۔ اور کہین مسائل معاشرت پر رد و قدح جاری ہے۔

اس آواز کو سُن کے بھڑکنا اور بھاگنے کی کوشش کرنا کوئی غیر معمولی چیز نہین ہے۔ عوام ہر جگہ اور ہر عہد مین ایسے ہی ہوتے رہے ہین۔ مگر وہی وحشت اور وہی گھبراہٹ جو ایک عامی مین نظر آتی ہے جب خاص لوگون اور تعلیم یافتہ و شایستہ گروہ مین بھی دیکھی جائے تو نہایت ہی افسوس اور سخت حیرت ہوتی ہے۔ عام لوگون مین مشہور ہے کہ منصور کو لڑکون اور جاہلون کے ڈھیلون اور پتھرون سے کوئی صدمہ نہین پہونچا تھا مگر شبلی کے ایک پھول سے بڑی چوٹ لگی۔ وہی حال ہمارے دل کا ہوتا ہے۔ جب کسی آزادانہ مضمون کے خلاف جاہلو کے ساتھ خاص لوگون کو بھی وحشیانہ شور و غل مچاتے دیکھتے ہین اور جاہلون کا سا شرمناک غیظ و غضب اُن لوگون کے چہرون پر نظر آتا ہے جو جانتے ہین کہ زمانے کا کیا رنگ ہے اور وہ کیا کہہ رہا ہے۔

[illegible] وہ بچے رہ۔ اگر وہ اس نے سمجھ لیں کی بابت [illegible] دیکھیں سمت پڑے گی۔ [illegible]
ریاست اگر عاقبت اندیشی سے ایسی اصلاح کا دروازہ اپنی قلمرو میں بند بھی
کردے تو یہ نہیں ممکن ہے کہ اصلاح موقوف ہو جائے۔ جس اصلاح کی بنیاد
زمانے نے ڈالی ہے ہوگی اور اس آگ کو اگر تم پھونک کے گل کرنا چاہو تو بجائے
بجھنے کے اور زیادہ بھڑکے گی۔ سب کو معلوم ہے کہ حیدرآباد میں باہر کے
اخباروں کا اثر مقابل لوکل اخباروں کے زیادہ ہے۔ لہذا معلم نسوان
اگر بند بھی ہو جائے تو برطانیہ کی آزاد قلمرو سے یہ آواز تہذیب بلند ہوگی اور
حیدرآباد ہی میں زیادہ زور و شور سے سنی جائے گی۔

مولوی محب حسین کے ہم خیال اب ہر جگہ اور ہر شہر میں موجود ہیں۔ جس
مسئلہ کو انھوں نے چھیڑا تھا اُس نے ہندوستان میں
میں قدم جما لیے ہیں۔ جس تہذیب کی انھوں نے بنیاد ڈالی تھی آج حیدرآباد
ہی کے بہت سے معزز گھرانوں میں برتی جا رہی ہے۔ لہذا معلم نسوان کے
مر جانے سے یہ مسئلہ نہیں مر سکتا۔ وہ نئی نئی وضع اور نئی نئی صورتوں میں
نئے جنم لے گا۔ اور ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ ایک دن ہندوستان کے تمام
مسلمانوں کا مذہب ہوگا۔ یہ تہذیب اور یہ سائنس کبھی اُسوقت تک مقبولیت
نہیں حاصل ہو سکتی جب تک اُس پہ قابل قدر قربانیاں کثرت سے نہ چڑھ
لیں۔ لہذا اس مسئلہ پہ اسی قسم کی ایک قربانی معلم نسوان کی ہوگی۔ اگرچہ
ہمیں ابھی یقین نہیں کہ حیدرآباد والے اس مفید رسالے کو بند کر دیا۔ کیونکہ نواب
سرور الملک بہادر کے ایسے وسیع خیال مدار المہام اور مولوی عزیز مرزا صاحب
بی اے کے ایسے روشن دماغ عہدہ دار کے عہد میں کسی ایسی کارروائی کی امید
بہت مشکل سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر کسی مجبوری سے رسالہ بند ہی کر دیا گیا تو
کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اصلاح اور یہ تہذیب بھی کسی قلمرو کو اپنا مامن و منشا بنا لے گی
[illegible] ایسی ہی مضمون کے لیے موضوع لیا ہے۔

ہم معلم نسوان کا ماتم نہ کریں گے اور نہ ریاست حیدرآباد کو الزام دیں گے
لیکن ہاں یہ کوشش کریں گے کہ دولت برطانیہ کی قلمرو میں ایسے متعدد رسالے

سی زبردست اور جلد کام دینے والی توپیں اور بندوقیں۔ اور نہ اُس صفائی و خوبی کے جہاز بنانا نصیب ہوئے جیسے کہ مغرب کے موجودہ کارخانے بنا رہے ہیں۔ ہم کو بھاپ اور برق کی قوتوں کا بھی پتہ نہیں لگا تھا۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جدید۔ عالیشان۔ سبک اور پُررعب عمارت اسی بنیاد پر قائم کی گئی ہے جو ہمارے ہاتھ سے پڑی تھی۔ اور یہ ساری برکتیں ہماری ہی کیمیاگری اور ہماری ہی مکینکل ہنرمندی کی بدولت ہیں۔

اپنی موجودہ اور گذشتہ حالت کا اندازہ کرنے اور کرانے کے لیے ہم موجودہ مسلمان ہوسیوں کے مقابل چھٹی صدی ہجری کے ایک مسلمان ہوسی کا واقعہ پیش کرتے ہیں جس نے چاندی سونا بنانے کے جنون کے عوض دنیا کو حیرت انگیز کمال دکھا دیا تھا۔

۵۸۶ھ میں شام کے ساحلی شہر عکہ پر یورپ کے صلیبیوں کی سخت یورش تھی۔ شہر عکہ کے اندر مسلمان تھے۔ اور نیز خشکی کی طرف سے اور نیز دریا کی طرف سے فرانس۔ جرمن۔ اور انگلستان کے نائٹ گھیرے ہوئے تھے۔ سمندر کی طرف سے ہزارہا جہاز یورپ کی آمد و رفت کو روکے ہوئے تھے۔ اور خشکی میں تینوں جانب ہزارہا سپاہ اور دستے محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ان محاصرہ کرنے والے فرنگیوں کو صلاح الدین اعظم کے لشکر نے گھیر لیا تھا۔ اور محاصرہ کرنے والے بھی خشکی کی طرف سے محصور تھے۔ گو اُن کا دریائی راستہ نہیں روکا جا سکتا تھا۔

فرنگیوں نے شہر پر قبضہ کرنے کی صدہا تدبیریں کیں۔ مگر تین سال تک کوئی زور نہ چل سکا۔ اس لیے کہ عکہ کے اندر جو مسلمان تھے وہ بھی اس مستعدی سے لڑتے تھے اور حملہ آوروں کی تمام کوششوں کو اس طرح بیکار کر دیتے تھے کہ کسی طرح زور نہ چل سکتا تھا۔ فرنگیوں نے آخر عاجز آ کے لکڑی کے تین برج بنائے جو ساٹھ ساٹھ گز اونچے تھے۔ اور ہر ایک میں پانچ درجے یعنی پانچ منزلیں بھی بنی تھیں۔ انکے لیے نہایت ہی اعلیٰ درجے کی لکڑی جہازوں پر لاد کے لائی گئی تھی۔ مگر چونکہ لکڑی کی تمام چیزیں گریک فائر کے ذریعے سے جلا دی جاتی تھیں

... ن کی قوت معلوم کرے اور دریافت کرے کہ آگ کی قوت کہان تک
اور کن طریقون سے بڑھ سکتی ہے۔ اُس نے اپنی زندگی اسی مشغلے مین بسر
کی تھی۔ لوگ اُسے الزام دیا کرتے تھے کہ کیون تضیع اوقات کرتے ہو۔ اور آپ
محنت کا کیا نتیجہ ہے۔ مگر وہ اپنے ذاتی شوق سے اُس دُھن مین لگا رہا۔ عکا
مین مسلمانون کو اور تمام اہل شہر کو نہایت ہی پریشان و مضطرب الحال دیکھا تو
بیٹھ کر خود ایک نسخہ تجویز کیا جسکے ذریعہ سے آگ کا اثر زیادہ مشتعل کیا جائے اور
اُس کا عمل ان چیزون مین بھی موثر ہو سکے جو دیر مین اثر پذیر ہوتی ہین یا نہین
اثر پذیر ہو سکتی ہین۔ یہ مسالہ تیار ہو گیا تو وہ امیر قراقوش کے پاس آیا۔ اور کہا
جو شخص منجنیقون کے چلانے پر مقرر ہین اُسے یہ حکم دیجیے کہ ان برجون مین سے
کسی برج کے سامنے جو منجنیق قائم ہو اُس پر وہ چیز بھر بھر کے مارے جسے مین
بتاؤن۔ اور امید ہے کہ میری تدبیر پر اگر عمل کیا گیا تو مین ان برجون کو جلا کے
خاک کر دون گا۔ قراقوش مایوسیون کے ہجوم سے جھنجھلایا ہوا بیٹھا تھا اور
جھنجھلا کے بولا۔ کہا بڑے بڑے لوگ تو اپنی تدبیرون مین عاجز آگئے تم کیا
بنا لوگے؟ حاضرین مین سے کسی شخص نے کہا "تو اس شخص کی تدبیر پر عمل کرنے
مین کیا مضائقہ ہے۔ شاید اسی شخص کی بدولت خدا ہماری مدد کرے"۔ اس
سفارش پر قراقوش نے حکم دیدیا کہ "اس شخص کی تدبیر پر عمل کیا جائے"۔

اس شخص نے پہلے تو پتیلیون مین بھروا بھروا کے منجنیقون کے ذریعہ سے
ایک ایسا روغن ان برجون پر برسایا جس سے سوا اُن برجون کے تر ہو جانے
اور اوپر سے نیچے تک بھیگ جانے کے اور کوئی نتیجہ نہین ظاہر ہوا۔ فرنگی جو ان
برجون پر چڑھے ہوے تھے اور شہر پر یورش کر رہے تھے اس بے سود کوشش پر قہقہے
لگاتے تھے۔ جب کوئی پتیلی آ کے گرتی اور اُس سے اُنھین کوئی نقصان نہ
پہونچتا تو اُچھلنے کودنے اور ناچنے کودنے لگتے تھے۔ شہر والون کا منہ چڑھاتے
اور ساتھ ساتھ مسلمانون کی زیادہ توہین و تذلیل کرتے۔ وہ ابھی مسخرے پن
مین مشغول اور غافل تھے۔ اور اُس گمنام مہوس نے نہایت متانت و خاموشی
کے ساتھ برج کے ہر حصے مین اُس مسالے کو پہونچا دیا جس کو اُس نے اپنی

مہوّس یہ تھا کہ وہ چھٹی صدی کا مہوّس جس نے قوم کو۔ مذہب کو اور وطن کو
اپنی لیاقت سے فائدہ پہونچایا۔ اور ایک ہمارے آج کل کے مہوس ہین جن کی
فضول محنتون اور بے نتیجہ کوششون کی محرک صرف یہ ہوس ہے کہ سونا اور چاندی
بنا لین۔ اسی طرح اسی دلگداز کے صفحون پر ہم اپنے ایک قدیم عالم امیہ ابن ابی
الصلت کی تفصیل لیاقت کا تذکرہ کر چکے ہین۔

بس فرق تھا تو اس قدر کہ اس زمانے میں ایسے کمالات کی قدر سلطنت
کرتی ہے اور اصول کے ساتھ کرتی ہے۔ نیز خود پبلک کو ایسے کمالات سے فائدہ
اُٹھانے کے اصول معلوم ہو گئے ہین۔ اور اُن دنون یہ چیز نہ تھی۔ اور یہی سبب تھا
کہ گذشتہ عہد مین ان فنون کو ترقی نہ ہو سکی۔ اور جو ایک آدھ صاحب کمال پیدا
ہو گیا اُسکا کمال اُسی کے ساتھ فنا ہو کے رہ گیا۔

خوب و زشت

دُنیا انھین دو چیزون کا مجموعہ ہے جب تک شیطان نے نافرمانی نہین
کی تھی ہر چیز اچھی تھی۔ سجدۂ آدم سے شیطان کے انکار اور خلقت الٰہی کے
اس پہلے کبر و نخوت نے دنیا مین یہ امتیاز پیدا کیا کہ فلان چیز اچھی ہے اور فلاں
بُری۔ اسی بنیاد پر اگلے بانیان مذہب نے بھلائی بُرائی کے دو متمائز عالم قرار
دیدیے جن مین سے ایک کو یزدان بتایا اور دوسرے کو اہرمن۔

اسکے بعد جب تعلیمات الہامی سے یہ معلوم ہوا کہ اس اصول کی بنا پر ایک
بہت بڑا حصہ خداوند جل و علا کے قبضۂ قدرت سے نکلا جاتا ہے اور خدا کی خدائی
مین بٹہ لگا جاتا ہے تو سچی تعلیم دینی یہ قرار پائی کہ شیطان یا بُرائیون کے
سکھانے والے کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور کوئی چیز اُس قادر مطلق کے
اختیار سے باہر نہین۔ اس مسئلے نے بعد کو جو اختلافات ڈالے اور جبر و قدر کے
کرشمے دکھائے اُن سے بحث نہیں۔ کیونکہ ع۔ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت
این معمارا۔ ہمین صرف اس سے بحث ہے کہ خوب و زشت ہے کیا چیز؟ اور
جس چیز کو ہم اچھا کہتے ہین کیا اُس مین کوئی بُرائی نہیں؟ اور جس چیز کو ہم بُرا

کہتے ہیں کہ اس میں کوئی خوبی نہیں؟ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ
جن چیزوں کو ہم برا یا بھلا خیال کرتے ہیں کیا وہ فی نفس الامر بری یا بھلی ہیں؟
اسکے جواب میں مادی اشیا اور مخلوقات کو برا یا بھلا سمجھنا درکنار ہم تو خیال کرتے
ہیں کہ جن صفات کو بھی برا یا بھلا کہا جاتا ہے وہ نفس الامر میں برے یا بھلے
نہیں - ہر اچھی صفت اور ہر اچھا جذبہ اگر ہم اعتدال سے کام نہ لیں تو برا
ہے اور ہر بری سے بری صفت اگر ہم اسے بالکل چھوڑ دیں تو خدا کی کسی بہت
بڑی نعمت و رحمت سے محروم ہو جائیں گے -

فرض کرو کسی شخص میں غرور ہے اور خود پسندی کے جوش میں وہ اپنے
سامنے کسی کی اصل حقیقت نہیں سمجھتا - ہم مانتے ہیں کہ یہ بری بات ہے - مگر
کیا تم پسند کروگے اگر یہ جذبہ اس میں سے بالکل فنا ہو جائے؟ ہرگز نہیں - اس
صورت میں اس میں سے خودداری کی ضروری صفت فنا ہو جائے گی - وہ
اپنی قدر بھی نہ کر سکے گا - اسے اپنی رائے پر وثوق نہ باقی رہے گا - اور اس
صورت میں اسے کسی امر میں رائے قائم کرنے کی جرأت بھی نہ باقی رہے گی - وہ
نہ اپنے حقوق کو سلطنت - پبلک یا سوسائٹی و خاندان کے سامنے پیش
کر سکے گا -

اسی طرح بخل ایک سخت عیب ہے - بخیل کی تم بے انتہا مذمت کرتے
اور اسے صد درجہ کا ذلیل و دنی باور کرتے ہو مگر کیا تمھیں گوارا ہو سکتا ہے
کہ اس شخص میں سے بخل کی صفت بالکل فنا ہو جائے اور کسی کے سوال کو رد
بھی نہ کرے؟ ہرگز نہیں - کیونکہ اس حالت میں وہ شخص نہایت ہی فضول خرچ
ہو جائے گا - اپنی محنت کی اجرت یا اپنے سرمایۂ زر کو ایسی بے جگری سے
لٹائے گا کہ چند ہی روز میں تم اسے بیوقوف بتاؤ گے اور کھڑے ہوکے
اس پر ہنسو گے -

بزدلی ایک نہایت ہی ذلیل قسم کا انسانی نقصان ہے سب اسے برا
خیال کرتے اور بزدل کا اپنے پاس بیٹھنا بھی مشکل سے گوارا کرتے ہیں - مگر کیا
کوئی اس بات کی بھی آرزو کر سکتا ہے کہ بزدلی سرے سے فنا ہی ہو جائے؟

نہ ہوتا تو ہوتی نہ کوئی جوش تو ہے ہرگز نہ پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ جس میں بزدلی کا ذرا بھی مادہ نہیں وہ زبردست سے زبردست حریف سے لڑ بیٹھے گا اور مارا جائے گا۔ اُس میں اپنے بچانے اور اپنی حفاظت کرنے کی قوت نہ باقی رہے گی۔

اسی طرح جملہ معائب انسانی کی حالت ہے۔ اصل یہ ہے کہ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ہر چیز کے ضرورت کے موافق اور معتدل درجے تک ہونے کا نام خوبی ہے اور اُس کے گھٹ بڑھ جانے کا نام زشتی۔ اپنی قدر کرنے کی صفت اگر مفید و مناسب درجے تک ہو تو خودداری ہے اور اُس سے بڑھ جائے تو وہ کبر و نخوت۔ مال و دولت کی حفاظت کرنے کا جذبہ اگر صحیح حد تک ہو تو کفایت شعاری ہے اور اس سے بڑھ جائے تو بخل۔ دشمن کی مضرت اور حریف کے حملے سے بچنے کی قوت اگر اعتدال کے ساتھ ہو تو استقلال ہے اُس سے بڑھ جائے تو بزدلی اور بودا پن۔

خلاصہ یہ کہ برائی بھلائی دونوں فی نفسہ نہ بری ہیں نہ بھلی۔ بلکہ وہی یک محل پر عیب ہوتی ہیں تو ایک محل پر حسن۔ خود اُن کی ذات میں کوئی خوبی یا خرابی نہیں۔ بلکہ ہم اپنے طرز عمل سے انہیں کبھی اچھا و قابل ستائش بنا لیا کرتے ہیں اور کبھی بُرا اور مستوجب ملامت۔

عشاق سخن

محبت انسانی کا سب سے بڑا مظہر عشق ہے۔ لہذا عشق و محبت کے جوش سے کلام کے شاعر جیسے بیتابانہ جذبات ظاہر کر جاتا ہے اور کسی طرح نہیں ظاہر کر سکتا۔ عشق کی دنیا میں اُسکی بیتابیاں اُسکی از خود رفتگیاں اُسکا جوش و خروش اور اُسکا شور و شیون بڑھا ہوتا ہے۔ اسی سبب سے ہر زبان کے شعرا نے عشق کو اپنی محبت انسانی اور جذبہ محبت دکھانے کا مرکز بنا لیا ہے

لیکن تعجب کی یہ بات ہے کہ شاعری کے عاشق و معشوق اکثر زبانوں میں بدل جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایشیائی شاعری کے تین گروہ موجود ہیں۔ عرب۔

ڈوب گیا۔ جب ہجر کے ... شعر سنے ... عورتیں ... لوگوں کے وقت مرد بنیا
کرتی ہین۔ بعض لوگ خیال کرتے ہین کہ یہ شہوت پرستی کا ایک دلچسپ کرشمہ ہے
کہ مرد عورت کو خود اسکی زبان سے اپنا عاشق بنا کے اپنا جی خوش کرتا ہے اور
اُس سے بیتابانہ کلمات سن سن کے محظوظ ہوتا ہے۔ لیکن ہم اسے ہندی شعرا
کی متانت و قادر الکلامی کے خلاف سمجھتے ہین۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہندوستان
کی عورت بالطبع زیادہ وفادار اور اپنے شوہر کے نام پہ جان فدا کرنے والی
پیدا کی گئی ہے۔

علاوہ برین شعرائے ہند نے اس امر کا بھی لحاظ کیا کہ جتنے سچے جذباتِ
عشق عورت کے مرد کی نسبت ہو سکتے ہین مرد کے عورت کی جانب نہین ہو سکتے۔ کیونکہ
مرد اکثر متعدد بیبیان رکھتا ہے اور اُن پہ بھی کفایت کرنے والے فرد کم ہوتے
ہین۔ لہذا ممکن نہین کہ مرد کے کل جذباتِ شوق کا مرکز صرف ایک عورت
قرار پا جائے۔ بخلاف اسکے عورت صرف ایک شوہر کے نام سے جیتی ہے۔ اُسکی
ساری دنیا اُسیکے شوہر کے دم سے وابستہ ہوتی ہے۔ خصوصاً ہندوستان کی
عورت جو شوہر کی لاش کے ساتھ جل کے خاک ہو جاتی تھی۔ اور اگر نہ جلی تو بھی
باقی ماندہ زندگی ایسی کٹھن جوگ مین کاٹ دیتی ہے جس سے زیادہ بےنفسی۔
خالص محبت۔ اور یکسوئی و یک جہتی کا نمونہ کوئی عشق نہین ہو سکتا۔ ایسی صورت
مین ظاہر ہے کہ عورت کے خیالات جیسے سچے۔ خالص اور بےلوث ہو سکتے ہین
ویسے مرد کے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اور یہ دیکھ کے اگر شعرائے ہند نے عورت کو
عاشق اور مرد کو معشوق قرار دے دیا تو اُن کا یہ انتخاب حق بجانب ہے۔ اور
سچ یہ ہے کہ اسی امر کا لحاظ کر کے ہم عربون کے مذاق سے شعرائے ہند کے اس
نازک اور دلچسپ مذاق کو زیادہ پسند کرتے ہین۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان
کے اس مذاق کو یہان کی ستی اور ہمارے درمیان کی جوگی نے پیدا کیا۔ اگر ان
دونون باتون نے عورت کی عاشقی کو ایسا خالص نہ بنا دیا ہوتا تو شاید شعرا کو
یہ بات بھی نہ سوجھتی کہ شعر و سخن مین عورت کو عاشق قرار دے کے خود معشوقیت
کا لباس عروسی پہن لین۔

ہے [illegible] سی کے عاشق و معشوق - لوگ ...سی شاعری نے [illegible] معنی
پر پہونچا [illegible] مگر سچ یہ ہے کہ دونوں ناپاک ہیں - اول تو سوا آورد کے مصنوعی
عشق [illegible] ان دونوں میں کوئی سچا رشتۂ محبت قائم ہی نہیں ہو سکتا - مگر اسکے
بھی بڑی برائی یہ ہے کہ یہ مذاق ایک نہایت ہی بری، ورنہ ناپاک بداخلاقی کا
محرک ہے - اور اسی کا اثر ہے کہ ہم ایران میں اور ان تمام ممالک میں جہاں
فارسی شاعری کا اثر پہونچا ہے امردوں سے محبت کرتے اور انکے ساتھ ناجائز
تعلقات پیدا کرنے کا مرض ساری دیکھتے ہیں - اس موقع پر یہ مسئلہ بھی غور طلب
ہے کہ یہ بداخلاقی ایران میں شاعری سے پیدا ہوئی یا شاعری کا یہ مذاق وہاں
اس بداخلاقی کی وجہ سے پیدا ہوا؟ اس مسئلے کے حل کرنے کے لیے تاریخ پر نظر
ڈالنے سے بھی بمشکل کوئی نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے۔

دنیا میں یہ بداخلاقی قدیم الایام سے موجود ہے - کتب سماوی کی تاریخ
سے بہت پرانے زمانے میں جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس
بداخلاقی کا پتہ لگتا ہے جبکہ حضرت لوط کی امت اس مہلک بداخلاقی میں مبتلا تھی
ہم نہیں جانتے کہ قوم لوط کی شاعری میں مرد معشوق قرار دیا گیا تھا یا عورت لیکن
اتنا معلوم ہے کہ عبرانی شاعری کا معشوق عورت تھی۔ جیسا کہ عربی شاعری میں ہے
اور اس سے امید کی جا سکتی ہے کہ قوم لوط کے شعرا کا مذاق بھی وہی عبرانیوں
کا مذاق ہوگا اور ان کی شاعری اتنی گندی نہ ہوگی جتنا گندہ انکا مذاق تھا -
مگر ہمیں اسکا پتہ نہیں لگتا کہ بابل اور اسیریا کی دولت اور نیز کلدانیوں اور ساسانیوں
کا مذاق شاعری کیا تھا - یہی نہیں - ہم اس سے بھی ناواقف ہیں کہ فتوحات
عرب سے پہلے ایرانیوں کی شاعری کس حالت پر تھی - اور نہ اسکی خبر ہے کہ
ان لوگوں میں یہ بداخلاقی مرض تھا یا نہیں - ہم نے کسی تاجدار عجم کی نسبت
نہیں سنا کہ اسے امردوں اور خوشرو لڑکوں کی طرف توجہ تھی - خسرو پرویز
ساسانیوں میں نہایت شہوت پرست تاجدار ہو گزرا وہ بندۂ عشق نظر آتا ہے - مگر
اسکی صحبت کی دلچسپیاں شیرین و شکر کی شیرینیاں تھیں نہ کسی امرد کے
کی کرشمہ سازیاں - اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام میں یہ بداخلاقی

ہین الرشید کے عہد سے شروع ہوئی۔ اور بعض سلجوقی تاجدارون نے اسے انتہا کے درجے پر پہونچا دیا۔ مگر یہ ہم ہرگز نہین کہہ سکتے کہ سامانیون یا اگلے ایرانیون کا دامن اس نجاست مین آلودہ تھا۔

جہان تک قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے ہم سمجھتے ہین کہ فارسی کی شاعری مین اس مذاق کا ذمہ دار تصوّف ہے۔ تصوف مین عشق ایک نہایت ہی ضروری چیز تصور کیا گیا۔ کیونکہ بغیر عشق کے انسان کا خیال کسی ایک چیز پر قائم نہ ہوتا تھا۔ اور نہ انسان مین یکجہتی پیدا ہوسکتی تھی کہ ایک کے ہورہے تو اسی کے ہورہے۔ ان مجبوریون سے عشق اختیار کیا گیا۔ اور اسکے ساتھ یہ بات بھی بہت ضروری تھی کہ صوفی کا عشق بدکاری و شہوت پرستی تک منجر ہونے پائے۔ یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر عورتون کے ساتھ عشقبازی کی جائیگی تو بہت کم ایسے لوگ ہونگے جن کے قدم کو لغزش نہ ہوجائے۔ لہذا عورتون کے عوض امردون کا عشق اختیار کیا گیا۔ جسکی نسبت انھون نے خیال کیا تھا کہ یہ نہایت ہی سلامت روی کا عشق ہے جس مین نہ کسی بداخلاقی کا خوف ہے اور نہ شہوت پرستی کا اندیشہ۔ افسوس اُسوقت یہ امر کسی کے خیال مین نہ تھا کہ اس سے بھی ایسی بدکاری پیدا ہوسکتی ہے جو سب سے زیادہ ناپاک اور شرمناک ہے۔

تصوف فارسی شاعری مین روز بروز پیدا ہوتا گیا۔ اور آخر سمجھا جانے لگا کہ جس شاعری مین تصوف نہین مزہ بھی نہین۔ غرض تصوف کی حکومت فارسی شاعری پر جس قدر بڑھتی گئی اُسی قدر امرد پرستی کا مذاق بھی فارسی شاعری مین زیادہ ہوتا گیا۔ اور آخر یہ ہوگیا کہ فارسی شاعری کا عام معشوق مرد تھا نہ عورت۔

فارسی کے اثر سے یہ ناپاک مذاق اُردو مین بھی پیدا ہوا جس نے فارسی ہی کے آغوش مین تربیت پائی تھی۔ لیکن اُردو مین یہ بُرا مذاق فارسی سے بھی زیادہ بدنما معلوم ہونے لگا۔ کیونکہ فارسی مین تذکیر و تانیث کا اثر جملے پر بہت کم پڑتا ہے۔ اُس مین مذکر و مونث کا فرق نہین۔ نہ افعال تذکیر و تانیث

وہی جاتی ہے یہی نا اتفاقی کا باعث ہے۔ اور اصلی بانیٔ فساد دونوں طرف کے
مہذب و تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ بفرض محال اگر دونوں طرف کے سارے تعلیم یافتہ
یک لخت کہیں باہر بھیج دیے جائیں تو مجھے یقین ہے کہ فوراً اتفاق و یکجہتی کے
روابط مضبوط ہو جائیں گے اور کسی قسم کا جھگڑا نہ باقی رہے گا۔

کئی سال ہوئے مسٹر گوکھلے نے بھی یہ مشن اپنے ذمے لیا تھا اور لکھنؤ میں
آ کے اس بحث کو چھیڑا تھا۔ مگر انھیں بھی کلیۃً ناکامی ہوئی۔ چنانچہ یہاں سے
جاتے ہی وہ ایسے چپ ہوئے کہ پھر نام نہ لیا۔

اب آخری زور اس بارۂ خاص میں مسٹر ویڈربرن لگا رہے ہیں۔ جو
معلوم ہوتا ہے کہ گویا ولایت سے دونوں فریقوں کے بغلگیر کرانے کا بیڑہ
اٹھا کے آئے ہیں۔ مگر وہ صرف ہماری لڑائی کا تماشا دیکھنے والے ہیں۔
اکھاڑے کے ایک جج بن کے وہ چاہے اس کا فیصلہ کر سکیں کہ کس معاملے میں
کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا۔ مگر وہ ہمارے سچے جذبات اور ہمارے
مقاصد و اغراض ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ اور اگر بالفرض بتانے سے سمجھ بھی جائیں
تو یہ ہرگز نہیں جان سکتے کہ دل کی لگی کیسی ہوتی ہے۔ اور کیا بات ہے کہ دونوں
فریق تمنائے اتفاق کے آرزو مند ہوں اور پھر کیوں کر اپنے باعثِ اختلاف مقاصد
پر قربان کیے ڈالتے ہیں۔

نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ رام موتی اور ڈاکٹر عصمت اللہ کا مقابلہ
ہندو مسلمان ہندوؤں کی کشتیاں اہم ترین قومی مسائل بن گئے ہیں۔ مسلمانوں
کی ہر خواہش ہندوؤں کو اپنے خلاف معلوم ہوتی ہے اور ہندوؤں کا
ہر منشا مسلمانوں کو اپنے مقاصد کے برعکس نظر آتا ہے۔ وہ لوگ
ہندوستان کے سیاسی میدان میں وہ پالیٹیشین بن گئے ہیں جو چالاکیوں اور پھبتیوں
کے ساتھ اپنا مطلب نکالیں اور دوسرے فریق کے مقاصد کے خلاف کوئی
کامیابی حاصل کریں۔ ملک کے بہترین اخبارات وہ ہیں جو اپنے گروہ کی
وکالت میں دوسرے گروہ کے مفید مطلب دلائل کو توڑیں۔ ایسی حالت میں
مسٹر ویڈربرن ہوں یا کوئی اور کچھ نہیں کر سکتا۔ مسٹر ویڈربرن دلچسپی و لطف

تباہی ہے کہ دنیا مین جتنے بڑے بڑے فساد اور ہنگامے ہوے ہین سب اسی ظالم تعصب کی بدولت ہوے۔ اسی نے بابل کی عمارتون کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ اسی نے دولت فراعنہ کی زبردست عمارت منہدم کی۔ اسی نے بیت المقدس کو بابلیون اور رومیون کے ہاتھون سے اجڑوایا۔ اور اسی نے ہند مین تاتاریون کی تیغ خون آشام سے لاکھون آدمیون کو قتل کرایا۔ اسی نے بڑی بڑی قومون کو ابھار کے کھڑا کیا جنھون نے تعصب کے جوش مین سابق تمدن و تہذیب کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ یہی تعصب تھا جو برابر صدیون تک دور دراز ممالک کے لوگون کو کھینچ کھینچ کے بیت المقدس کی دیوارون کے نیچے لاتا اور قتل کراتا رہا۔ اور یہی تھا جس کی تعلیم سے پیروان مسیح نے لاکھون یہودیون کو لوٹا مارا اور قتل کیا۔ مختصر یہ کہ اگلی جتنی نامی گرامی قومین اور جتنی دنیا کو بارونق بنانے والی تہذیبین تباہ و برباد ہوئی ہین سب اسی تعصب کے ہاتھون تباہ ہوئین۔

موجودہ تہذیب نے غالباً اخلاق مین اگر کوئی فتح حاصل کی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ تعصب کو اگر مٹا نہ سکی تو اُس مین ایک حد تک اعتدال ضرور پیدا کر دیا۔ ہم یہ نہین کہتے کہ یورپ کی موجودہ قومون مین تعصب نہین رہا۔ ہے اور ضرور ہے۔ لیکن اتنے اعتدال کے ساتھ کہ ہر قوم اپنے اغراض و مقاصد پر تو بیدار مغزی کے ساتھ نظر رکھتی ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ جوش مین آ کے دوسری قوم کے پامال کر ڈالنے کے لیے اٹھ کھڑی ہو۔ گو دولت عثمانیہ و ایران کی سلطنتین یورپ کی نظرون مین کانٹے کی طرح کھٹکتی ہین مگر اسکی نوبت نہین آتی کہ زبردست یورپ یکایک ان کے پیس ڈالنے اور پامال کر دینے کے درپے ہو جائے۔

افسوس ہے کہ ہم ہندوستانیون کے دل ابھی تک اسی پرانے جوش تعصب سے بھرے ہین۔ اور ہمارے جذبات و خیالات ایسے ہین کہ اگر برٹش گورنمنٹ [illegible] ہے تو ہم موقع پاتے ہی اپنے دشمنون اور مخالفون کے پیس ڈالنے اور ان کے تباہ و برباد کر دینے مین کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھین

مسلمان قوم - [illegible] مذہبی جوش کے وفور [illegible] پر ہم اپنے جوش و خروش تو
اپنے متعصبانہ جذبات کا ثبوت دے دیا کرتے ہیں اور کسی کے سمجھانے سے بھی
نہیں سمجھتے - مذہب خدا پرستی اور نجاتِ اُخروی کے لیے ہے - مذہب اس لیے
ہے کہ ہم اپنی زندگی کو مہذب - نیکوکار - اور بے آزار بنائیں -

مرو زین جہان باش کہ زودا چو روی — خندان تو بروں روی و گریان ہمہ کس

مذہب کی تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ خدا پرستی کے جوش اور احقاقِ حق کے جذبے میں
تم اپنی اور اپنے پڑوسیوں کی زندگی بے مزہ بنا دو - اور خدا کی مخلوق کو ستاؤ - اور
اس کی دل آزاری کرو - مگر ہمارے یہاں لوگوں نے اسی کا نام مذہب و حمایت
دین سمجھ لیا ہے - اگر کوئی شخص بُت پرست ہے - بد اخلاق و بد وضع ہے - یا
مذہب [illegible] و نادان ہے تو اپنے لیے ہے - اسکے اُن عیوب اور [illegible]
سے نہ تمھاری خدا پرستی میں فرق آسکتا ہے نہ تمھاری نماز ٹوٹ سکتی ہے - نہ
تمھارا روزہ خراب ہو سکتا ہے - اور نہ تمھاری نجات مشتبہ ہو سکتی ہے - پھر مجادلے
فساد سے کیا نتیجہ ؟ خدا نے یہ ہرگز نہیں حکم دیا ہے کہ اپنی عقبیٰ سدھارنے کے لیے
تم اپنی اور دوسروں کی دنیا خراب کر ڈالو - مگر افسوس تم نہیں سمجھتے - تم اپنے
دین کے چاہے کتنے ہی پابند ہو - اپنے مذہب سے چاہے جتنی ہی محبت رکھتے ہو
صرف اگر دوسروں سے معاملات باطنی و خلوص سے ہو تو ساری دنیا میں بھی
ہر دلعزیز ہوگے - اور خدا کے ساتھ ساری مخلوق بھی تم سے خوش رہے گی - لیکن
اگر بندگانِ خدا کو ستاؤ گے چاہے وہ کسی کیش و آئین کے ہوں تو مجھے یقین ہے کہ
باوجود دینداری و پابندی مذہبی کے خدا تم سے خوش نہ ہوگا -

دیگر مذاہب کا معاملہ تو یہ ہے کہ [illegible] دنیا [illegible] متضاد
چیزیں ہیں اور اُن کا شعار ہے -

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دون — این خیال است و محال است و جنون

گو صوفیۂ اسلام بھی جوشِ وحدت سے بیتاب ہوکر دنیا پرستوں کی
خودغرضیوں سے تنگ آکے بعض وقت ایسی تعلیمیں دے گئے ہیں مگر اسلام میں تو
دینداری کے ساتھ دنیاداری ہے - کیونکہ اسلام دنیا بنانے کو آیا ہے بگاڑنے

تو پھر [illegible] ہین جب [illegible] کے مجنونانہ جوش کیون
ظاہر ہوتے ہین ؟ اور اگر بعض جہلا سے ایسے حرکات سرزد ہو بھی جاتے ہین تو
مقتدایان دین انھین روکتے کیون نہین ؟ مگر شامتِ اعمال ہے کہ علما تو پرانے
مذاق اور پرانے رنگ مین رنگے ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائین گے نئے تعلیم یافتہ
لوگون کو کیا ہو گیا ہے کہ تعصب کی تمام خرابیان جانتے ہین اور پھر بھی دلون کو
تعصب کے زنگ سے صاف نہین کرتے -

بے تعصبی کا سب سے مکمل نمونہ ہندوستان ہی مین نہین مین کہون گا کہ آجکل
کی ساری مہذب دنیا مین ہز ہائنس آقا خان کی ذات ستودہ صفات ہے -
پہلے یہ دیکھیے کہ وہ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہین ؟ وہ خوجان یعنی باطنیون کے
مقتدا ہین جنکا بانی حسن بن صباح تھا - جس فرقہ کو اہل اسلام نے ملاحدہ کا
نا پاک لقب دیا تھا - جس کے تعصب کا یہ عالم تھا کہ اُسکے فدائی کپڑون مین
خنجر چھپائے ہوے پھرتے تھے کہ جس غیر مذہب والے کی نسبت اشارہ ہوا سے
موقع پا کے مار ڈالین - جنکے ہاتھون سے ہزارون علما و فضلا - سلاطین و وزرا
و خدا جانے کیسے کیسے اور کس پایہ کے لوگ مارے گئے - آقا خان اُسی فرقہ
کے مقتدا ہین - اور کوئی معمولی پیشوا نہین اُن لوگون کے نزدیک امام صاحب الزمان
بلکہ اس بھی بڑھ کے خدا کے اوتار اور مظہر ایزدی مانے جاتے ہین - دولت -
عزت - اور شان و شوکت مین بھی اکثر والیان ملک سے بڑھے ہوے ہین - لیکن
با وجود ان سب باتون کے محض ایک بے تعصبی کی بدولت ہندوستان کے سارے
مسلمانون مین ہر دلعزیز اور سب کے قومی لیڈر بنے ہوے ہین - اور یہ حالت ہے
کہ تمام مسلمان ادنی ہون یا اعلی - نئے تعلیم یافتہ ہون یا پرانے - بلا تامل اُنکی
پیروی کرنے کو تیار ہین - اور بچہ بچہ اُن پر جان فدا کرنے کو حاضر ہے -

ہز ہائنس آقا خان اگرچہ مذکورۂ بالا خاص فریق کے امام و پیشوا ہین مگر اُنکی
خیالات تمام فرقون اور مذہبون کے ساتھ عام ہین - وہ مسلمانون کی قومی فلاح
و بہبود سے تعلق رکھتے ہین - جس چیز مین مسلمانون کا عام فائدہ ہو وہی چیز
انکو عزیز ہے - اور اُنکا شعار ہے کہ ع - با دوستان تلطف با دشمنان مدارا -

علیگڈھ کالج سے شاید خوجون کی قوم نے آج تک کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھایا ہوگا مگر آغا خان کی نظر مین وہی مسلمانون کی ترقی کا مرکز اور اہل اسلام کی فلاح وبہبود کا ذریعہ ہے لہذا اُسکی مدد مین وہ کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھتے - دارالعلوم ندوہ خاص اہل سنت کا مدرسہ ہے مگر آغا خان اپنی بے تعصبی سے اُسکی مدد کرتے ہین -

بہرحال آغا خان کی ذات مین ہمین بے تعصبی کا یہ اعلیٰ کمال نظر آرہا ہے کہ وہ شخص جو ایک سخت اور متعصب ترین گروہ کا مقتدا تھا سارے مسلمانون کا پیشوا بن گیا - اور وہ لوگ بھی اُس پر جان فدا کرنے کو تیار ہوگئے - جو اُس کے مذہب اور اُس کے عقائد کے بالکل خلاف ہین -

پیشوایان دین اپنے ہم مذہبون اور پیرودن مین توسب ہی ہردلعزیز ہوا کرتے ہین - سب ہی کے ہاتھ پانون چومے جاتے ہین - اور سب ہی کے نامون پر درود بھیجا جاتا ہے - مگر اُسی محدود حلقہ مین جو ہم عقیدہ لوگون اور ہم مذہبون کا ہوتا ہے - لیکن یہ معجزہ آج تک شاید کوئی پیشوا نہ دکھا سکا ہوگا جو آغا خان کی وسیع الاخلاقی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ایک گروہ کے مقتدا پر دیگر مذاہب کے لوگ جانین فدا کر رہے ہین اور جو ایک کا پیر ہے سب کا سرتاج ہے -

یہ معجزہ صرف آغا خان کی بے تعصبی سے آشکارا ہو رہا ہے - اگر وہ اپنے مذہب کی حمایت مین غیرون سے لڑتے - مناظرہ ومباحثہ کا دروازہ کھولتے - دوسرون کے عقائد کی تردید اور اُن کے بزرگون کو بُرا بھلا کہتے - تو اپنے فرقہ مین تو ویسے ہی رہتے جیسے کہ اب ہین مگر دوسرے فرق اسلامیہ مین ہرگز یہ مقبولیت اور ہردلعزیزی نہ حاصل کر سکتے - اُن کی بے تعصبی اس حد کو پہونچی ہوئی ہے کہ بعض دیگر فرقہ کے لوگ خوجون مین اُنکے خلاف وعظ کہتے اور بعضین اپنے مقتدا کی طرف سے بھڑکاتے ہین - اور سُنا جاتا ہے کہ بعض خوجے اُن سے منحرف بھی ہوگئے - مگر آغا خان نے اُن کی یہ لغو حرکتین دیکھ کے اپنی وضع مین فرق نہین آنے دیا - اور ویسے ہی بے تعصب بنے ہوئے ہین جیسے کہ تھے -

لکھنؤ کے سُنی شیعہ علما ومجتہدین کو ہز ہائینس آغا خان کی مبارک وبرگزیدہ زندگی سے سبق لینا چاہیے - کیونکہ یہان شیعہ سُنیون مین چند روز سے عجب فساد

کا سبب ؟" ارشاد فرمایا "خدا کا علم اور اُسکے دین مین بصیرت"۔ اُس نے کئی بار یہ سوال کیا۔ اور ہر بار آپ نے یہی جواب دیا۔ تب اُس نے عرض کیا "یا حضرت مین علم کو نہین پوچھتا۔ مین تو سب سے اچھا کام پوچھتا ہون"۔ فرمایا "علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی سُودمند ہے۔ اور جہل کے ساتھ چاہے بہت سے اعمال ہون اتنے سودمند نہین"۔

انھین امور کا لحاظ کرکے خود جناب سرورکائناتؐ نے یہ پیشین گوئی بھی فرما دی کہ "میری امت کی ہلاکت و تباہی کا باعث صرف دو باتین ہونگی۔ علم کو چھوڑ دینا اور دولت کو جمع کرنا"۔

علم کی ان برکتون اور فضیلتون ہی کی وجہ سے صاحب علم کی ذمہ داریان بڑھی ہوئی ہین۔ اور اُس کی لغزش ناقابل عفو لغزش ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ "عالم کی لغزش کا دنیا مین ڈھنڈھورا پٹ جاتا ہے۔ اور جاہل کی لغزش اُس کی جہالت کے دامن مین آکے لوگون کی نظر سے چھپ جاتی ہے"۔

جو چیز نہ معلوم ہو اُس کی لاعلمی کا اعتراف کرنا علم کے خصائص مین ہے۔ امام شعبی ائمہ تابعین مین بہت بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ کسی نے اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ فرمایا "مجھے نہین معلوم"۔ لوگون نے کہا "آپ کو لاعلمی کا اقرار کرتے ندامت نہین ہوتی؟" کہا "ندامت کیسی؟ جب فرشتون نے اقرار کر لیا کہ "لا علم لنا" تو انسان کیا چیز ہے؟"

لقمان کی نصیحت تھی کہ "علما کی صحبت مین بیٹھا کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالٰے دلون کو نور حکمت سے ویسے ہی زندہ کر دیا کرتا ہے جس طرح کہ زمین کو برسات کے پانی سے زندہ کرتا ہے"۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا صاحب علم صحابۂ رسول اللہ مین جو رتبہ ہے مخفی نہین۔ اُن کا معمول تھا کہ طلبۂ علم کی صورت دیکھتے ہی ان الفاظ مین اُنکی طرف خطاب کیا کرتے "مرحبا اے حکمت کے سرچشمو! تاریکی دُور کرنے والے چراغو! پُرانے کپڑون اور تازے دلون والو! اور اے اپنے اپنے باغِ آرزو

کے نونہالو!"

ایک مرتبہ جناب سرورِ کائنات نے صحابہ سے فرمایا "جانتے ہو کہ سب سے زیادہ فیاض کون ہے؟" عرض کیا گیا "حضور فرمائیں تو معلوم ہو"۔ ارشاد ہوا "سب فیاضوں کا فیاض تو وہ خدائے عزوجل ہے۔ اسکے بعد میں سارے بنی آدم سے زیادہ فیاض ہوں اور میرے بعد سب سے بڑا فیاض وہ ہے جو علم حاصل کرے اور پھر لوگوں میں اس کی اشاعت کرے۔ قیامت کے دن وہ بجائے خود ایک پوری امت بن کے اُٹھے گا"۔

اس سے ظاہر ہے کہ اشاعتِ علم میں بخل کرنے سے بڑا کوئی بخل نہیں۔ چنانچہ خود حضرت رسالتؐ نے فرمایا کہ "خدا نے جس کسی کو علم عطا کیا ہے اُس سے عہد لیا ہے کہ اُسے کسی سے نہ چھپائے۔ لہذا جو لوگ علم کی اشاعت میں کمی کرتے ہیں وہ دراصل خدا کے عہد کو توڑتے اور اُسکی امانت میں خیانت کرتے ہیں"۔ انھیں وجوہ سے عہدِ اولینِ اسلام میں مسلمانوں میں علم و فضل کا ایسا مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ کسی معمولی شخص سے بھی کوئی ذہانت اور طباعی کی بات ظاہر ہوتی تو لوگ اُسکی بیحد قدر کرتے۔ اس کا اندازہ اس دل لگی کے ایک پُرلطف واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ جن دنوں اہل مدینہ میں تبلیغ و اشاعت علم کر رہے تھے ایک شخص اپنے گھر میں بیٹھا تھا اور بی بی کو طلاق دینے پر تلا ہوا تھا۔ عورت بھاگنے کے لیے یا ڈرا تھا یا جس خیال سے ہو سیڑھی پر چڑھ گئی۔ جو گھر میں دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ شوہر نے کہا "اگر تو اوپر چڑھے تو نیچے اُترے تو۔ سیڑھی پر ٹھہرے تو ہر صورت میں تجھے طلاق ہے"۔ یہ سنتے ہی بی بی بے تحاشا سیڑھی پر سے پھاند پڑی۔ اور اُسکے اس فعل کو حیرت کی نظر سے دیکھ کے شوہر بولا "میرے ماں باپ تجھ پر فدا۔ تو نے یہ ایسا کام کیا ہے کہ اگر امام مالکؒ کا انتقال ہو گیا تو اہل مدینہ فتوے لینے کو تیرے ہی پاس آیا کریں گے"۔

مگر افسوس علم کی تحصیل و اشاعت میں مسلمانوں کو ابتدا جو ذوق و شوق تھا اور جس طرح دولتِ علم کے لٹانے میں وہ کافر و مومن اور اپنے پرائے

ہین جنھون نے ابھی چند ہی سال ہوے علیگڈھ کالج کے لیے چندہ دینے کو
ناجائز قرار دیا تھا۔
سنا جاتا ہے کہ علما و مجتہدین شیعہ نے ایسی گرمجوشی نہین دکھائی جیسی کہ
چاہیے تھی۔ مگر ہمین یقین ہے کہ رفتہ رفتہ وہ بھی اپنا برکت کا ہاتھ اِس
تحریک کے بانیون کی پیٹھ پر رکھتے جائین گے۔ اور جس اتحاد کی بنا ہز آغاخان
کی مبارک ذات سے پڑی ہے وہ پورا ہوکے رہے گا۔ اور سب کے ذہن نشین
ہوجائے گا کہ علیگڈھ کالج کسی ایک فریق کا دارالعلوم نہین بلکہ سارے مسلمانون
کا دارالعلوم ہے۔
بعض شیعہ اخبارات نے اس موقع پر اس قسم کے افسوسناک مباحث چھیڑنا
چاہے ہین کہ کالج کو، سوا ے شیعہ سے کتنا سرمایہ ملا اور اُسکے معاوضہ مین شیعون
نے اُس سے کس قدر فائدہ اٹھایا۔ یہ نہایت ہی بے محل و بے موقع اور نامناسب
ہے۔ ہم مانے لیتے ہین کہ ہمارے کالج کو سب سے زیادہ مدد حضرات شیعہ ہی کی
فیاضی سے ملی۔ اور اُن شیعون کو جنھون نے اس کار خیر مین شرکت کی ہے ہم
اور سارے مسلمان سُنّی ہون یا شیعہ یا کسی فریق کے ہون اپنا سرتاج سمجھے
ہین۔ اُن کا ادب سب سے زیادہ کرتے ہین۔ اور سچ یہ ہے کہ شیعون کی
ترقی کو ہم اپنی ہی ترقی تصور کرتے ہین۔
یہ بھی علیگڈھ کالج ہی کی برکت ہے کہ تعلیم یافتہ شیعون کو اہل سنت کے
عروج سے مسرت ہوتی ہے اور سنیون کو شیعون کے اوج و عروج سے۔
نواب عماد الملک بہادر۔ مولوی سید علی بلگرامی۔ بدرالدین طیب جی کے خاندان
کے اکثر بزرگون کی ترقی پر سنیون کو ویسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسی کہ کسی اپنے
فریق کی ترقی پر ہوتی۔ سر آغاخان بھی گو اثنا عشری نہین مگر من وجہ شیعہ ہی ہین
لیکن کبھی ہمارے اور عام سنیون کے دل مین یہ خیال بھی نہین گذرا کہ یہ حضرات
ہمارے فریق مین نہین۔
نہین۔ یہ سب ہمارے فریق مین ہین اور ہم اُنکے مطیع و منقاد۔ اُن پر
فخر کرنے والے۔ اور اُن کی خوشی پر خوش ہونے والے۔ اگر حضرات شیعہ

جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس کی نسبت وہ اُن کے سامنے بار بار کہا کرتے تھے کہ جو کچھ پڑھو
سب سمجھ کے ماننے اور اُس پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہے۔ ان دو متضاد
دستورالعملوں نے صاحبزادے صاحب کو عجب گو مگو کے عالم میں ڈال رکھا تھا۔

اسی تردد اور اُلجھن میں تھے کہ ایک رات کو تفسیر کے درس میں وہ آیت
آئی جس میں ہاروت ماروت کا ذکر ہے۔ مولوی صاحب نے تفصیل کے ساتھ
ان دونوں فرشتوں کا قصہ بیان کر دیا کہ "انسان کی رقابت میں دعوی انتظام
عالم کر کے زمین پر آئے۔ یہاں دونوں آ کے زہرہ اور مشتری نام دو عورتوں پر
عاشق ہوئے۔ اور جب اُن عورتوں نے آسمان کی سیر کا شوق ظاہر کیا اور اُنکے
کسی عذر کو نہ سنا تو جس طرح سبز پری شاہزادہ گلفام کو راجہ اندر کا اکھاڑا دکھانے
کو لے گئی تھی اُسی طرح وہ ان دونوں عورتوں کو عالم بالا کی سیر کرانے کے لیے آسمان
پر اُڑا لے گئے۔ جب پہلے آسمان کے پھاٹک پر پہنچے تو اوپر خبر ہو گئی کہ ہاروت
و ماروت دنیا کی سیہ کاریوں میں اس قدر مبتلا ہوئے کہ وہاں کی دو عورتوں کو
لے کے یہاں تک آئے ہیں۔ فوراً وہ خوبصورت عورتیں اُن سے چھین کے سقف فلک
پر جڑ دی گئیں۔ جہاں سے وہ اپنا جمال جہان آرا تاروں کی وضع میں دکھلا کے
دنیا والوں کی دلربائی کیا کرتی ہیں۔ اور ہاروت و ماروت مورد غضب الٰہی
ہو کے دنیا میں پھینکے اور بابل کے ایک کنوئیں میں اُلٹے لٹکا دیے گئے۔ جہاں
آج تک لٹک رہے ہیں اور قیامت تک لٹکتے رہیں گے۔ ساری دنیا کا
دھواں ان کی ایذا رسانی کے لیے سب طرف سے سمٹ کے اُسی کنوئیں میں
بھرا کرتا ہے۔ یہ دونوں جادو کے بڑے ماہر ہیں۔ اور جو کوئی سحر سیکھنے کو
جاتا اور کنوئیں پر کھڑا ہو کے اُن سے التجا کرتا ہے اُس کو پہلے جادو کی برائیاں
بتا کے اُس کی تعلیم سے روکتے ہیں۔ مگر جب وہ برابر اصرار ہی کیے جاتا ہے تو
اُسے سکھا دیتے ہیں۔ جس کے ساتھ ہی اُس سے نور ایمان نکل جاتا ہے۔

یہ قصہ سُن کے نوعمر طالب علم کے ذہن میں طرح طرح کے شکوک و شبہات
پیدا ہوئے تو دل نے نئی تعلیم کے پرانے تقاضے کے مطابق اُسے اس جانب
متوجہ کیا کہ یہ باتیں صرف سُن لینے اور یاد رکھنے کے لیے ہیں۔ عمل کو ان سے

... شاید حور سمجھتے ہیں۔

مولانا: "حسینوں کا جسم آئینے کی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ اور وہاں اُن پر جب سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں تو دیگر اجرام فلکی کے مثل وہ بھی چمکنے لگتی ہیں۔"

صاحبزادہ: "مگر حضرت کچھ اس کا بھی تو لحاظ فرمایئے کہ آخر ان خوش قسمتوں کے جسم کتنے کتنے بڑے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں کوس پرے اتنی نظر آتی ہیں؟ آج کل دوربینوں کے ذریعہ سے ان دونوں تاروں کی حالت اور اصلی صورت لوگوں کو دکھائی دیتی ہے۔"

مولانا: "دوربین کا کیا اعتبار؟ جو کوئی جا کے دیکھ آیا ہو وہی کہہ سکتا ہے کہ دوربین سے جو کچھ نظر آتا ہے سچ ہے یا جھوٹ؟ میں تو قرآن کے مقابل دوربینوں کی کوئی ہستی نہیں سمجھتا۔"

صاحبزادہ: "لیکن جب قرآن کے خلاف کوئی بات ہو بھی؟ یہ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ زہرہ و مشتری دو عورتیں ہیں جنھیں ہاروت و ماروت آسمان پر لے گئے تھے؟"

مولانا: "قرآن میں نہیں تو تفسیروں میں تو ہے۔ اور حدیثوں میں بھی ہوگا۔"

صاحبزادہ: "تو پہلے اس واقعہ کو آپ حدیثوں اور روایتوں میں تلاش کر کے خوب تحقیق فرما لیں اس کے بعد اس کی اصلیت کا دعوے کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

مولانا: "ہم سے پہلے بڑے بڑے علما تحقیق کر چکے ہیں جن سے زیادہ تحقیق کوئی دنیا میں کر ہی نہیں سکتا۔ اب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی سے بڑا کون شخص ہوگا؟ انھوں نے اپنی تفسیرِ عزیزی میں ان تمام واقعات کو بیان فرمایا ہے۔ کوئی انھیں جھوٹا کہہ سکتا ہے؟ انھوں نے بعض اُن لوگوں کے حالات بھی نقل کیے ہیں جنھوں نے چاہِ بابل میں جا کے ہاروت و ماروت سے جادو سیکھا تھا۔" یہ کہہ کے مولانا نے تفسیرِ عزیزی کے ورق الٹ کے یہ بحث نکالی اور اس کی عبارت زور زور سے پڑھ کے سنائی۔ اور فرمایا: "اب تو تم کو اطمینان ہوا؟"

... تحقیقات کروں ... جب تک خود ...
نکالوں۔ آپ کی امتحان دینے کے بعد میں آپ کو ساتھ لے کر اس عرض
کا سفر کروں گا۔ اور ان روایتوں کی پوری جانچ کروں گا۔"
مولانا:"مگر میں نے پتہ لگا دینے کا کوئی اقرار نہیں کیا ہے۔ یہ خود تمھارا کام ہے
اور اگر بالفرض پتہ نہ لگا تو میں اس بات کا قائل نہ ہوں گا کہ ان واقعات میں
جو تفاسیر میں درج ہیں کسی قسم کا شبہ ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ وہاں کا سفر کرنے
سے پہلے زائرین عراق سے مل کے دریافت کیا جائے کہ انھوں نے وہاں
کیا دیکھا۔ اور انھیں وہاں کسی چیز کا پتہ لگا یا نہیں؟"
صاحبزادہ:"تو آپ ہی ایسے لوگوں سے مل کے دریافت کریں۔ لیکن جہاں
آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ان باتوں کا پتہ نہ لگنے سے آپ کو اپنے کسی دعوے میں
شبہہ نہ ہوگا۔ اسی طرح میں بھی عرض کرتا ہوں کہ میں بے پوری طرح تجربہ کیے اور
سمجھے ایسی کسی بات کو ہرگز نہ مانوں گا۔ کوئی بات صراحۃً قرآن مجید میں مذکور
ہو یا کسی حدیث صحیح میں اس کا ذکر آ گیا ہو اسکو تو ضرور مان لوں گا۔ باقی اور
لوگوں کے اقوال کو چاہے وہ کتنے ہی بڑے پایہ کے ہوں بغیر دلیل اور سند
کے ہرگز نہ مانوں گا۔"
مولانا:"تو تمھاری ان باتوں سے الحاد اور نیچریت کی بو آتی ہے۔ مگر میں اتمام
حجت کے لیے اگر شاہد و ذکر سننا تو سچی اور مستند نقلی دلیلیں قرآن و حدیث
سے ڈھونڈ پیش کر دوں گا۔"
صاحبزادہ:"تو میں تسلیم بھی کر لوں گا۔ بہتر۔ تو آپ ایک مہینہ بھر کے بعد میں
جناب سے ان باتوں کو دریافت کروں گا۔"
مہینہ گذر گیا۔ شاگرد نے بابل و نینوا اور عراق کی کئی پرانی تاریخیں
پڑھیں۔ بہت سے سفرنامے دیکھے۔ اور بابل کی تاریخ اور بیانات کے مسائل
متعلقہ میں پوری بصیرت حاصل کر لی۔ مگر ہمارے مولانا اسی درجے پر تھے جس
پر ایک مہینہ پیشتر تھے۔ ان مسئلے پر تذکرہ آتے ہی انھوں نے دلیل میں
مفسرین اور بعض شارحین حدیث کے اقوال پیش کیے جو اس آیت کے متعلق تھے

اور دعوے یہ تھا کہ مین قرآن و حدیث سے ثبوت دے رہا ہون۔ شاگرد نے
صاف کہہ دیا کہ ان دلیلون مین سے کوئی قطعی حجت نہین ہے۔ کیونکہ جن باتون
کو آپ ثابت کرنا چاہتے ہین اُن کا ثبوت قرآن یا حدیث کے کسی لفظ سے
نہین نکلتا۔ رہا اُن علماے کبار کا بیان جنھون نے ان باتون کو قرآن مین
ملا دیا ہے اُن کے اقوال کو مین بغیر دلیل کے نہین مان سکتا۔ اُن کا قول
جب ہی مانون گا جب آپ بابل مین چل کے مشاہدہ کرا دین گے۔

ہمارے مولانا شاگرد کے اس جواب پر نہایت برہم ہوے۔ اور کہا
"تمھارے عقائد خراب ہو گئے ہین"۔ شاگرد نے ادب سے عرض کیا "بیشک
میرے عقائد خراب ہو جاتے۔ کیونکہ دینیات کے ذمہ سے جناب جس قسم کی
بے سروپا باتون کی تعلیم مجھے دیا کرتے ہین وہ میرے ہی نہین ہر مسلمان کے
عقائد بگاڑنے کے لیے کافی ہین بشرطیکہ وہ انگریزی بھی پڑھتا ہو اور ہر چیز کو
انگریزی دانی کی عینک سے دیکھتا ہو۔ مگر غنیمت یہ ہوا کہ خوش قسمتی سے
مجھے چند ایسے پختہ مغز اور ذی فہم علماے دین سے ملاقات ہے جو میرے
شبہات کو رفع کر دیا کرتے ہین۔ اور انھین سے مجھے اطمینان کے ساتھ
پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ اس قصہ یا اسی قسم کے دیگر مہمل واقعات کے ثبوت
مین آپ کو یا کسی کو نہ قرآن سے کوئی قطعی دلیل مل سکتی ہے اور نہ حدیث
سے۔ انھین بزرگون کی صحبت کا فیض تھا جو مین سمجھ گیا کہ ہمارا اسلام ایسے
مزخرف قصون سے بری ہے۔ آپ جناب [illegible] ذمہ سے [illegible]
تو مین [illegible] تیار ہون۔ لیکن اتنا [illegible] عرض کرون گا کہ انگریزی پڑھنے
والے شاگردون کو جناب اس قسم کی باتون کی تعلیم نہ دیا کرین ورنہ وہ لوگ
[illegible] بننے کے بجاے [illegible] ہو جائین گے۔ اور آپ بجاے مسلمان بنانے کے انھین
دشمن اسلام بنا دین گے۔"

یہ تعلیم تو ہمارے ان مولانا کی تھی [illegible] ایک شاگرد نے [illegible] مرتبہ
علی العموم علیگڑھ کالج کے مضمون کو دیکھا [illegible]
ایسے اساتذہ کو مقرر فرماتے ہین جو شاگردون کے فہم و مذاق کے مطابق اُن کو

امر کی تعلیم دیا کرین۔

زوالِ عجم

زمانہ کے آثار بتا رہے ہین کہ دولت قاجاریہ اور اُسی کے ساتھ اسلامی
لطنت عجم کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ اور یورپ نہین چاہتا کہ مسیحیون کے
ائے ملک کسی اور مذہب کے قبضے مین باقی رہے۔ اس سے پیشتر روم
یران مین شخصی سلطنتین تھین جن مین رعایا کی جانین اور ملک کی قسمت
ذات واحد کے قبضے مین ہوا کرتی تھی۔ دول یورپ اگر انکے نظم ونسق
اصلاح چاہتی تھین تو کہا جاتا یا یہ بہانہ پیش کیا جا سکتا تھا کہ یہ دخل دہی
ح انسانی ہمدردی اور نظام عالم کی اصلاح کے لیے ہے۔ مگر تقدیر نے
نون شخصی سلطنتون کا ورق اُلٹ دیا۔ اور ان دونون اسلامی ملکون مین
ہوری حکومت قائم ہوگئی۔ اور قوم خود ہی اُٹھ کھڑی ہوئی کہ ہم اپنی اصلاح
پ کرلین گے۔ چنانچہ تمدن کے صحیح ترین اصول پر دونون جگہ قومی مجالس
رائی قائم ہوگئین اور ہر مسئلہ قوم کی منظوری سے طے ہونے لگا۔ یون تو
ستہ چھینی ہی صحیح آلۂ اصلاح وہمدردی ہے۔ مگر اب ان سلطنتون پر کوئی
سیا اعتراض نہین کیا جا سکتا تھا جو اُن کی پامالی کا بہانہ قرار دیا جا سکے۔ اور
نقش عقدیت قائم کر دیا تھا اُس کا بگاڑنا دراصل بہت بڑا اخلاقی جرم تھا۔
افسوس یورپ کو نہین منظور کہ ان بدنصیب سلطنتون کو کسی حال پر بھی قرار
ینے دیا جائے۔ یا اتنی مہلت دی جائے کہ وہ اپنی اصلاح کر سکین۔ دراصل
ورپ کو اندیشہ ہے کہ اگر ان سلطنتون کو جمہوریت کے اصول پر ترقی کرنے کا
وقع چند روز بھی مل گیا تو ان دونون کی مجموعی قوت زبردست ہو جائیگی۔
ر تھوڑے ہی زمانہ مین یہ ہماری گرفت سے باہر ہو جائین گی۔ اور انکا اتفاق
ورپ کی غیر منصفانہ اولو العزمیون کا مزاحم ہو جائے گا۔

پہلے سُنی شیعہ کے جھگڑے اُبھارے گئے۔ تاکہ ترکون اور ایرانیون مین
فرت کو ترقی ہو۔ قدیم جھگڑے یاد دلائے گئے۔ اور پرانے تعصبات کے قصے

سنائے گئے - مگر وہ مصر کے سنی اور ایران کے شیعہ لکھنؤ کے سنی و شیعہ نہ تھے
کہ اس دھوکے مین آجاتے - اُنھون نے پُرانے تعصبات کو دور کر دیا -
علمانے اتحاد کے فتوے دیے - اور دونون ملکون کی حکمران جماعتون نے
روابطِ اتحاد کو ترقی دی - جس نے یورپ کی آرزوؤن پر خاک ڈال دی -

اب جو یہ نظر آیا کہ یہ تدابیر کارگر نہین ہوتے تو دوسرا غاصبانہ عمل شروع
کیا گیا - یورپ کا بزدل شکاری کتا (اٹلی) طرابلس الغرب پر چھوڑ دیا گیا - اور
دولتِ عثمانیہ اور اُسکے ساتھ سارے افریقیہ بلکہ ساری دنیا کے سنی مسلمان اٹلی
کی چیرہ دستیون کی طرف متوجہ کر دیے گئے - تاکہ اُن کے لیے دوسری طرف رُخ
کرنے کا موقع نہ باقی رہے - اور وہ اس قابل ہی نہ رہین کہ کسی دوسرے اسلامی
ملک کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی کر سکین - اور عین اُس وقت جبکہ ساری
دنیا کے مسلمان جوش و خروش سے دولت عثمانیہ کے ساتھ ہمدردی کر رہے
تھے - اور دولت عثمانیہ ایک خطرناک جھگڑے مین پھنسی ہوئی تھی اسی یورپ
کے مردم خوار جنگل کا ایک وحشی درندہ ریچھ (روس) ایران پر جھپٹا تاکہ سب
اُس کتے کو للکارتے ہی رہ جائین اور وہ اطمینان کے ساتھ اپنا شکار مار لیجائے -

دنیا مین تو یہ غدر مچا ہوا ہے - اور ایسا اندھیر ہو رہا ہے - مگر شیر ببر
(انگلستان) جو اس جنگل کا بادشاہ ہے کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے - مسلمان اُس
کی سلطنت کو اسلامی سلطنت بتاتے ہین اور اُس کی حمایت پر نازان ہین -
مگر اُسے کچھ فکر نہین - اگر یورپ کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کے دیکھتا تو وہ ایسے
زور سے ڈانٹ بتاتا کہ ساری دنیا گونج اُٹھتی - مگر مسلمانون کے قدیمی حقوق
پامال ہو رہے ہین - اُن کے گھر لٹ رہے ہین - زن و بچہ قتل ہو رہے ہین -
علماے دین کو پھانسیان دی جاتی ہین - خانقاہون پر زبردست توپ خانون
سے آتشباری ہو رہی ہے - مظلومون کے خون کی ندیان بہ رہی ہین - مگر اُسے
کچھ پروا نہین - وہ "نیوٹرل" ہے - نہ ادھر ہے اور نہ اُدھر - اپنے حقوق کی
نگہبانی کرے گا - اپنا حصہ بٹائے گا - مگر مظلوم کی دادرسی کرنا اور ستمزدون کی
فریاد سننا "نیوٹریلٹی" کے اصول کے خلاف ہے - اس مین اگر ہوتا تو ان

[illegible] ایران مین اگر خانہ مین دشمن [illegible] بیٹھ [illegible] ہو جائے تو [illegible] سکتی ہے [illegible]
اور [illegible] چھ [illegible] پر [illegible] بناتے مین تو [illegible] لیا - یہ مقبوضات مصر
کی حفاظت کے خیال سے وہ مصر وطرابلس کی حدود کو درست کرے گا اور جنوبی
ایران پر اپنا اثر برقرار رکھنے کے لیے اپنے جنگی جہاز سواحل عجم پر بھیج دیگا -
اپنی فوجین [illegible] دے گا - اس سے بحث نہین کہ غریب طرابلسی مسلمان اور
بیکس و بے بس ایرانی بچے یا خاک مین مل گئے ؟

ترک اس موقع پر ضرور ہمدردی کرتے - اور ممکن نہ تھا کہ عساکر عثمانی ایران
کی ہمدردی کو نہ آ جاتے - مگر افسوس وہ خود ہی آفت مین مبتلا ہین - اور
اُن کی روک پہلے سے کر دی گئی ہے - بہر تقدیر قراکو - طرابلس - اور ایران
مین سب جگہ ایک ساتھ اسلام پر یورش بول دیا گیا - اور دیکھیے اس مناسب
موقع پر اور کون کون سی مسلمان ریاستین خاک مین ملائی جاتی ہین -

ایران کے جانے کا رنج مسلمانون کو قیامت تک نہ بھولے گا - یہ داغ
ایسا نہین ہے کہ کبھی مٹ سکے - ایران کی آزادی مین باوجود اُسکے متمدن
و مہذب ہونے - اور دولت و حشمت مین یکتاے روزگار ہونے کے آج تک
کبھی فرق نہین آیا تھا - عرب تو ایک وحشی قوم کا مرکز اور ناقابل پیداوار
صحراؤن کا لق و دق سمندر تھا جس کے باعث وہ بیرونی حملہ آورون سے
محفوظ رہا - مگر ملک ایران وہ ملک ہے جو ساری دنیا کا مرجع اور تمام اقوام
عالم کا محسود ہوتے پر بھی اپنی آزادی کو ہمیشہ بچائے رہا - ایرانیون کی تاریخ
تاریخ عالم سے شروع ہوتی ہے - یہان تک کہ کیخسرو نے فارس کی حدود سے
قدم نکالتے بابل و نینوا والون کی عظمت خاک مین ملائی اور ایشیا کو میں
لمن الملکی بجایا جس کی آواز ساری دنیا مین گونجی - یونان کے سمندرون
مین اُس سے ہلچل پڑ گئی - اور مصر مین دریاے نیل کی لہرون کے ساتھ
دُور تک دوڑتی چلی گئی - سکندر کی اولوالعزمی نے البتہ چند روز کے لیے ایران
کو یونان کا مطیع بنا دیا تھا - مگر اول تو اُسے ایرانی کوئی غیر نہیں سمجھے - بلکہ دارا
عجم ہی کی نسل مین شامل کرتے تھے - اور اگر وہ غیر بھی ہو تو سکندر کا حملہ ایک

ہوا کا جھونکا تھا کہ آیا اور نکل گیا۔ چند روز تک سکندر کے جانشینوں کی حکومت بھی رہی تو وہ یونانیوں کی نہیں بلکہ خالص ایرانی مذاق و اصول کی سلطنت تھی۔ جس نے سکندر کو یونانی مذاق سے جدا کرکے وطن جانے کے قابل ہی نہیں رکھا تھا۔ سکندر کے چند روز بعد مختلف وطنی حکمران جدا جدا حکومت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ساسان اول اردشیر بابکان نے پرانی ہڈیاں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے قدیم کیانی سلطنت کا ڈھانچہ بنا کے کھڑا کر دیا۔ اور ساسانی سلطنت کا آغاز ہوا۔ اس دولت و عظمت کا ذکر ساری دنیا کو یاد ہوگا۔ دولت روم کو اگر کسی نے دبایا اور شکستیں دیں تو وہ یہی سلطنت تھی۔ یہی تھی جس نے مسیحیت کو فرات و دجلے سے آگے ایک قدم بھی نہ بڑھانے دیا۔ یہی تھی جس نے قسطنطنیہ کے نیچے تک تمام ممالک ایشیا اور بیت المقدس تک میں اپنا سکہ چلا دیا۔ اور جس کی عظمت و جبروت کے آگے ساری دنیا کے سر جھکتے تھے۔ رومی ترقی کے اوج کمال پر پہنچنے کے بعد بھی اگر کسی دربار کی شان و شوکت اور کسی ملک کی عظمت و حشمت کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے تو وہ یہی سلطنت تھی۔

اب سرزمین عرب سے آفتاب اسلام طلوع کیا۔ عربوں کے جوش توحید نے تثلیث کو مغلوب کیا۔ تمام معبودان باطل کو دنیا سے نیست و نابود کیا۔ اور آتش فارس سرد کر دی۔ الغرض تمام مذاہب باطل مغلوب ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ وہ زبردست سلطنتیں بھی مٹ گئیں جو مذاہب باطلہ کی حامی اور مدد و معاون تھیں۔ اس انقلاب میں اس پرانی ساسانی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کے کھنڈروں پر عرب کی دولت عباسیہ کا ارتقا ہوا۔

اگرچہ اس انقلاب نے ایران کی پرانی سلطنت اور اس کے پرانے مذہب کا خاتمہ کر دیا تھا لیکن اگر پوچھیے تو اب بھی یہاں کی تمدنی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ عباسیوں کے زمانے سے عرب نے پوری طرح سے ایرانیوں کی معاشرت اختیار کر لی تھی۔ وہی دربار داری کی شان تھی۔ وہی لباس تھا وہی وضع و اطوار تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مذہب کے سوا اور تمام باتوں میں ایران کے سانچے پر عربی اکثر ایرانیوں کا ہو بہو چربہ ہوئے

ایرانی دربار کے پارٹ دکھا رہے ہین - چنانچہ اکثر محقق مورخین یورپ دعوے کرتے ہین کہ اگرچہ بظاہر عربون نے ایران کو لے لیا - مگر عربون کی فتح ایران در اصل خود عربی معاشرت پر ایرانی معاشرت کی فتح تھی - جس نے چند ہی روز مین عربی معاشرت کو بالکل مٹا دیا -

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس انقلاب عظیم سے بھی در اصل ایرانیون مین کوئی بڑا ردوبدل نہین ہوا - اب فارسی زبان نے اپنی پرانی وضع چھوڑ کے اسلامی لٹریچر اور اسلامی علوم و فنون کو اپنا بنانا شروع کیا - اور تھوڑے ہی دنون مین یہ حالت ہو گئی کہ فارسی زبان گویا مجوس کی نہین بلکہ خاص مسلمانون کی زبان تھی - فارسی شاعری نے جو کچھ نشو و نما پایا سب اسلام ہی کے دَور کی فارسی تک محدود ہے - پرانی فارسی کا نام و نشان بھی نہین باقی رہا - شاہنامہ اور سکندرنامہ کی ایسی عالمگیر نظمین جو سنسکرت کی رامائن و مہابھارت اور یونانی کی "اِلی لیڈ" اور "آڈیسی" پر چشمک زنی کرتی ہین خاص اسلامی عہد کی فارسی کے نمونے ہین - اور اُن کے بعد سے فارسی کے لٹریچر اور اُسکے شعرو سخن نے ایسا کمال حاصل کیا کہ ساری ایشیا کی انشا پردازی اور پوری ایشیائی تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ملک ایران قرار پا گیا -

ہندوستان مین اسلامی لٹریچر کے نام سے جو کچھ آیا سب ایران سے اور فارسی زبان کے ذریعہ سے آیا - یہان کی زبانون اور خاصۃً اُردو کی شاعری نے فارسی شاعری ہی کے نقش قدم پر چل کے ترقی کی - ترکستان اور دولت عثمانیہ کی مغربی ترکی زبان کے لٹریچر بھی فارسی ہی کے باغ سخن کے خوشہ چین ہین - بہرحال باسفرس سے لے کے چین تک آپ جہان جا کے دیکھین گے فارسی لٹریچر ہی کو وہان کے تہذیب و تمدن کا سرچشمہ پائین گے -

مگر افسوس اور صد ہزار افسوس کہ ظالم روس اور بے رحم یورپ کے ہاتھون اب یہ پرانی تہذیب اور مشرقی تمدن کا یہ مرجع و مخزن خاک مین ملا جاتا ہے - مولانا نظامی نے اُس حالت کے بیان مین جب کہ سکندر ایران پر فتحیاب ہوا ہے - دارائے عجم خود اپنے نمک حرام ساتھیون کے ہاتھ سے کاری زخم کھا کے

خاک پر گرا ہے۔ اور سکندر نے اُس کے پاس پہونچ کے افسوس کیا ہے چند اشعار
مین عجیب قسم کا جوش و خروش اور زور طبع دکھا دیا۔

بہار فریدون و گلزار جم — بباد خزان گشتہ تاراج غم
نسب نامۂ دولت کیقباد — ورق بر ورق ہر سوے بردہ باد

ہمارے خیال مین یہ اشعار اُس زمانے کے لیے اتنے موزون نہ تھے جتنے
کہ زمانۂ حال پر صادق آتے ہین۔ اُن دنون جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوا
کیانی سلطنت تو بیشک نہین رہی مگر ایران کی ایرانیت مین کسی قسم کا فرق نہین
آنے پایا تھا بلکہ سکندر جو فاتح تھا خود ایرانی معاشرت مین رنگ گیا۔ اور یہی
حال فتوحات عرب کے وقت ہوا۔ مگر اب افسوس اگر روس کا قبضہ ہو گیا تو
سمجھنا چاہیے کہ وہ عجمیت جس کی بنیاد کا پتھر کیومرث نے رکھا تھا اور جس کی
عالیشان عمارت جمشید کے ہاتھون تکمیل کو پہونچی تھی فنا ہو گئی۔

افسوس فردوسی و نظامی۔ انوری و خاقانی۔ اور سعدی و جامی کے نام
مٹے جاتے ہین۔ اور ایک شان دار تاریخ کے ساتھ ایک شان دار تہذیب اور
شان دار لٹریچر بھی خاک مین ملے جاتے ہین! یہ خاندان قاجاری نہین تباہ
ہو رہا ہے بلکہ دیلمیون اور صفویون کے نام بھی مٹے جاتے ہین۔ شہید کربلا
کا ماتم کرنے والو ایران کا بھی ماتم کرو۔ کیونکہ جس دربار سے بزم عزا کی رونق
تھی وہ دربار ہی مٹا جاتا ہے۔

اب سردست یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ یورپ کی یہ وضع و حالت دیکھ کے
اور اُس کے تیورون سے اُس کی نیت کا اندازہ کرکے مسلمانون کو کیا کرنا چاہیے۔
ہندوستان کے مسلمانون کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ دولت برطانیہ سے ملتجی
ہوکے اور اُس کے سامنے بار بار درخواستین پیش کرکے اور بڑے دھوکے سے اس
بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اسلامی سلطنتون کو یورپ کی اس دست برد سے
بچائے۔ کیونکہ سب سے بڑی اسلامی دولت وہی ہے۔ اور اُس کا فرض ہے کہ
ایسے نازک موقعون پر اسلام کی حمایت کرے۔ لیکن ایرانیون سے مسلمانون کے
لیے اس امر پر غور کرنے اور کوئی قطعی فیصلہ کر لینے کا وقت آگیا ہے کہ آیا [illegible]

دشمنون کی [illegible] وضع و خاموشی کے ساتھ دیکھتے ہی رہنا چاہیے کہ ساری اسلامی سلطنتون کو ایک ایک کرکے فنا کردین یا کچھ کرنا چاہیے - اگر یونہین خاموش بیٹھے رہے تو صحابہؓ کی کمائی اور بزرگون کی جان بازی مفت برباد جائے گی۔ اُس سرزمین کا ایک چپہ بھی اُنکے قبضہ مین نہ باقی رہے گا جسے اگلون نے اپنی جانین بیچ کے اور اپنا خون بہاکے حاصل کیا تھا۔

تمام موجودہ دول اسلام اور عرب و افریقہ و روم کی مسلمان قومون کو مجموعی طور پر دنیاے مسیحیت کو الٹی میٹم دے دینا چاہیے کہ بیشک ہم خواب غفلت مین تھے مگر اب ہوشیار ہین۔ اور اس ناگوار دست برد کو جو ظالمانہ و غاصبانہ ہے کسی طرح برداشت نہین کر سکتے۔ اگر ہمارے تمدن کی موت ہی کا زمانہ آگیا ہے تو اُسے گوارا کرلین گے مگر یہ کہہ کے کہ ع

"لرزان مرا ! نہ لرزد زمین"

بیشک اُن ممالک کے مسلمانون کو چاہیے کسی جگہ کے ہون جوش و خروش سے اُٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ اور فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہم زندہ رہین گے تو اپنی وقعت و عزت کے ساتھ۔ ورنہ ہم بھی نہ ہون گے۔ ابھی تک ہم انتظار کرتے رہے کہ تہذیب یورپ والون کو انصاف و انسانیت کے اصول سکھائے گی۔ لیکن اب انتظار کا وقت نہین رہا۔ اور زندہ رہ کے یہ حالت نہین دیکھی جا سکتی کہ اسلام کی تمام زندہ سلطنتین ایک ایک کرکے فنا کردی جائین۔

مقتدیان بے مقتدا

رندمشربون کا پرانا مشغلہ ہے کہ حضرت شیخ کی پگڑی اُچھال دینے کی فکر مین لگے رہتے ہین۔ جن کے کارنامون سے ہمارے شعرا کے دیوان بھرے پڑے ہین۔ مگر یہ خیال شعرا کا جوش تو کسی قدر ھیچ پڑتا جاتا ہے۔ اب یہ کارخیر بہت کچھ ہمارے اخبار نویسون اور تعلیم جدید کے دلدادہ تمدن کے سرپرستون نے اپنے ہاتھ مین لے لیا ہے۔ شعرا تو فقط دل لگی اور اپنے تفنن طبع کے لیے ایسی شوخیان کر گذرا کرتے تھے۔ مگر ان لوگون نے بجاے مذاق اس کام کو زیادہ متانت بلکہ دلی عقیدت سے

اور اپنے مقتداؤن سے منحرف ہو جانے کے باعث وہ کمزور بھیڑیان بنے ہوے ہو جو ادھر اُدھر بھٹکتی پھرتی ہین - اور کوئی گڑریا نہین کہ اُنھین غلط راستہ سے ہنکا کے ایک ڈھرّے پر لگا دے -

اس خرابی کی اصلی بنیاد یہ ہے کہ تمھاری تعلیم اور ہے اور تمہارے علما و مقتداؤن کی تعلیم اور - تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کے مذاق و خیالات کو کسی ایک سانچے مین ڈھالتی ہے - جس طرح ایک وردی ہزار سپاہیون مین ہم آہنگی و ہمرنگی پیدا کرتی ہے اُسی طرح تعلیم کی یکسانی مذاق و خیالات مین اتحاد پیدا کرتی ہے - نصاب تعلیم کا ایک ہونا دراصل خدا کی ایک بڑی بھاری رحمت و نعمت ہے - مگر تمھارے یہان یہ خرابی ہو گئی ہے کہ علما تو آج تک اُسی تعلیم کو اختیار کیے ہوے ہین جو ایک ہزار سال سے چلی آتی ہے - یہی نہین کہ اُس مین صرف دینیات ہی کے فنون پڑھائے جاتے ہون - نہین - اُس مین فلسفہ بھی ہے - ہیأت بھی ہے - طبیعیات بھی ہین - یونانی مذاق کے امور عامہ و الٰہیات بھی ہین - ریاضی بھی ہے - غرض سب ہی کچھ ہے - مگر موجودہ عہد کی انگریزی تعلیم سے بالکل جدا - کچھ یہی نہین ہے کہ الحاد و دہریت کے خیالات اس نئی تعلیم ہی سے پیدا ہوتے ہون - اُس پرانی عالمانہ تعلیم سے بھی پیدا ہوتے ہین اور سیکڑون بڑے بڑے ملحد و بے دین اُسی تعلیم کے اثر سے پیدا ہو چکے ہین - اُس پرانی تعلیم کے دہریے بھی اور طرح کے ہوتے ہین جن کو تعلیم جدید کے ملحدون سے کسی قسم کی مناسبت نہین -

جب تک پرانی تعلیم سارے مُلک یا کم از کم سارے مسلمانون کا عام نصاب تھی مقتداؤن اور مقتدیون مین ہم آہنگی تھی اور ہم مذاقی - علما اپنی قوم سے خوش تھے اور قوم علما سے - اِن کو اُن پر اطمینان تھا اور اُن کو اِن پر بھروسا - اور معاشرت کے جو اصول اِن کے نزدیک تھے اُن کے نزدیک بھی تھے - مگر انگریزی دَور نے مُلک کے لیے ایک نئی تعلیم جاری کی جو مذہبی جُز کو نکال کے زیادہ تر مغربی درسگاہون کے نصاب تعلیم سے ماخوذ ہے - یہ تعلیم خالص دنیاداری کے مقاصد و اغراض سے وابستہ تھی - علما نے اس خیال سے کہ

ندوہ کے طلبہ کو ہرگز نہ حاصل ہو سکے گی اور چند دنونکے تجربے کے بعد جو مشکلات
اور دشواریان پیش آتی جائینگی اس نصاب کو اس انجام تک پہونچا دینگی
کہ یا تو انگریزی کی تعلیم غالب آکے عربی کی تعلیم کو بالکل مفقود اور اگر مفقود نہین
تو کمزور کر دے گی اور یا عربی ہی اتنی غالب آجائے گی کہ انگریزی برائے نام رہ
جائے گی - بہر تقدیر یہ غرض حاصل ہونا کہ ایسے علما پیدا ہون جو انگریزی تعلیم
مین بھی موجودہ مذاق کے مطابق ہون دشوار معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانون کی بہت بڑی امیدین مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہین جسکے لیے
بڑے زور وشور سے چندہ فراہم کیا جا رہا ہے اور جس کی تحریک نے چند روز
کے لیے مسلمانون کے دلون مین ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا - کہا جاتا ہے کہ یہ
یونیورسٹی ہمین اس مقصد مین کامیاب کرا دے گی - مگر سچ یہ ہے کہ مجھے اسکی
ذرا بھی امید نہین - دار العلوم ندوہ تو اس بارۂ خاص مین ایک قسم کا تجربہ
کر رہا ہے اور آزادی کے ساتھ اپنے نصاب کی آزمائش مین مصروف ہے - مگر
مسلم یونیورسٹی سے اتنی بھی امید نہین کہ ایسے کسی تجربہ کی کوشش کر سکے - گویا
کہا جاتا ہے کہ یونیورسٹی مسلمانون کے تمام فنون کو زندہ کرے گی اور ہر قسم کی
دینی و دنیوی تعلیم کا ایسا زبردست مرکز بنجائے گی جو ساری دنیاے اسلام مین
منفرد ہو لیکن ہماری تمنا اس سے پوری ہو یہ قریب قریب غیر ممکن سے ہے - کیونکہ
یہ یونیورسٹی بلحاظ گورنمنٹ کے زیر اثر ہوگی - اور کچھ ضرور نہین کہ گورنمنٹ کی پالیسی
ہمارے اغراض و مقاصد سے متفق ہو - اس مین جو انگریزی ڈگریون کا نصاب
مقرر پائے گا اس مین لازم ہے کہ وہ تمام فنون رکھے جائین جو دوسری یونی
ورسٹیون مین ہین ورنہ ہمارے گریجوئیون کو گورنمنٹ تسلیم ہی نہ کرے گی - اور
جب تک یہ سب علوم و فنون موجود ہین اس کی امید رکھنا کہ طلبہ کو عربی کے
ان دینی فنون کی تعلیم کا وقت ملے گا جو ایک دینی عالم کے لیے ضروری ہین محال
ہے - بالمقابلہ انگریزی کے طلبہ عربی کے اعلی فنون سے عاری رہین گے -

اب رہی دوسری صورت وہ یہ کہ مسلم یونیورسٹی علما اور انگریزی تعلیم پانے
والون کے لیے جدا گانہ کلاس کھولے گی اور علیگڈھ کی عمارت مین پلتے مذاق

کہ تعلق [illegible] جیسے بھی [illegible] نہین [illegible]
ہو سکتی۔ بیشک عام طلبہ انگریزی کی اعلیٰ تعلیم پائین گے۔ مگر اس سے دونون
گروہون مین جو تفرقہ پہلے موجود تھا بدستور قائم رہے گا۔ ویسے ہی عالم بنین گے
جیسے کہ اب بن رہے ہین اور ویسے ہی انگریزی کے گریجویٹ پیدا ہون گے
جیسے کہ اب تیار ہوتے ہین۔

ہان ایک صورت البتہ نکالی گئی ہے وہ یہ کہ انگریزی کے گریجویٹون کو
بھاری وظیفے دے کے عربی کی تعلیم پر آمادہ کیا جائے۔ لیکن اس سے بھی مطلب
حاصل ہونا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ ہندوستان کی عمرون کا اندازہ
بہت تھوڑا ہے اور انسان ساری عمر طالبعلمی کرنے کے لیے نہین پیدا ہوا ہے۔
نوکری پا جانے یا معیشت کا بندوبست ہو جانے کے بعد سب لوگ ساری عمر
طالب علم بنے رہنے کا دعوے کر سکتے ہین مگر پراگندہ روزی پراگندہ دل ہوتا ہے۔
اُس سے ایسی طالب علمی کی زیادہ امید موہوم ہے۔ علاوہ برین اس کی
امید رکھنا کہ عربی کے فارغ التحصیل طلبہ کو زیادہ مقدار کے وظیفے انگریزی پڑھنے
کے لیے دیے جائین گے دشوار ہے۔ غریب عربی دانون کی ان لوگون کے نزدیک
اتنی وقعت ہی نہین کہ انھین وظیفے کے طور پر پچاس ساٹھ روپے ماہوار کی
رقم دی جائے۔ ہان انگریزی کے گریجویٹون کو البتہ دی جائے گی۔ لیکن وہ
کون بے وقوف گریجویٹ ہوگا جو یونیورسٹی کی ڈگری پانے کے بعد اپنی معیشت
کی ساری امیدون کو قربان کر کے اور ملازمت کے استحقاق سے دستبردار
ہو کے عربی پڑھنا شروع کرے گا؟

ایسے گریجویٹ ابھی پچاس برس تو ملین نہین سکتے شاید آیندہ ملین تو ملین
اور آیندہ بھی کیا ملین گے۔ آیندہ یہ حالت نظر آتی ہے کہ گریجویٹ نوکری
پانے کے بعد ترکا بنانا۔ بڑھئی اور لوہار کا کام سیکھنا پسند کرین گے۔ وہ عربی
کی طرف ہرگز رخ نہ کرین گے۔

خلاصہ یہ کہ ہمین [illegible] مصیبت کے ڈر ہوتے ہین [illegible] نہین۔ اور اس
قسم کے جتنے خیالی منصوبے بنائے جاتے ہین ان کی وقعت ہوائی قلعہ [illegible]

سے زیادہ نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ علما کو اپنے پُرانے علوم و فنون کی تعلیم پانے
کے بعد اپنی قوم سے کوئی اُمید نہ رکھنا چاہیے۔ ان انگریزی دانون اور نیز
آج کل کے خیالات والون کا پیش امام بھی گریجویٹ ہونا چاہیے۔ اور اُنکے
پیر و مرشد کے لیے بھی ضروری ہے کہ اُس کے پاس یونیورسٹی کی ڈگری ہو۔

ہندوستان کے مسلمان عالمون کو اپنے لیے پارسیون سے سبق لینا
چاہیے۔ جن کے مقتدا سوا مذہبی رسوم کا بجالانا اور ژندواوستا کی چند دعائین
اور منا جاتین توتے کی طرح بے سمجھے رٹ لینے کے اپنے مذہبی لٹریچر سے کوئی
سروکار نہیں رکھتے۔ وہ اپنے پیروون کی طرح انگریزی تعلیم پاتے اور انگریزی
معاشرت اختیار کرلیتے ہین۔ عبادت کراتے یا مرنے جینے کی رسمین ادا کرتے
وقت وہ اپنا مقتدائی کا لباس پہن لیتے ہین۔ اور دوسرے اوقات مین عام
افراد قوم کی طرح دنیوی کاروبار مین مشغول رہتے ہین۔ اسی طرح مسلمان عالمون
کو چاہیے کہ عربی لٹریچر عربی علوم دینیہ و نقلیہ کو خیرباد کہین مقتدائی کے فرائض
بجالانے کی ضرورت سے چند مختصر مذہبی دعائین اور رسوم وآداب سیکھ لین اور
اور اپنی زندگی اسی تعلیم کے حاصل کرنے مین صرف کیا کرین جسے اور سب لوگ
حاصل کرتے ہین۔

اس صورت مین یہ بھی ممکن ہوگا کہ عام مقتداؤن مین سے دو ایک موقع
پاکے مستشرقین یورپ یا پارسیون کے کسی خاص دستور کی طرح اپنے علوم مذہبیہ
کو بھی حاصل کرلین۔ مگر عربی نصاب تعلیم کا ہر عالم کے لیے لازمی قرار دیا جانا
اب کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اپنی موجودہ تعلیم کی وجہ سے وہ [illegible]
ہو جاتے ہین کہ مگر مسلمانون کے مقتدا نہین باقی رہین گے۔

ہمین یہ خیال ظاہر کرتے وقت نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ دعا کرتے ہین
کہ جب ایسی حالت ہو تو سب علماے دین کے دیکھنے کے لیے خدا ہمین زندہ
نہ رکھے۔ لیکن افسوس یہ ایسی بات ہے جس سے ہمین کوئی مفر نہین نظر آتا۔
علما اور قوم مین بہت اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور اب ہر مقتدا مین انگریزی تعلیم جو پھیلی
ہے وہ علما اور مقتدایان ملت کے اثر سے باہر ہو گیا ہے۔ سارے امرا اور

مسلمانون مین جوش وخروش

مسلمانون اور خاص کر مسلمانان ہند کے لیے آج کل نہایت نازک زمانہ ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے متعلق اُنھین اپنی مرضی کے موافق جواب نہین ملا اور لکھنؤ کے جلسہ مین اس کی مخالفت ذرا سختی سے کی گئی تو ہر طرف غل مچ گیا کہ اب مسلمان ایجی ٹیشن پر آمادہ ہین۔ اس پر طرح طرح کی عقل آرائیان ہونے لگین اور پیشین بینیان کی جانے لگین کہ مسلمانون کا ایجی ٹیشن ایسا ہوگا اور اُن کے نوجوان اس قسم کا جوش ظاہر کرین گے۔ بہر حال وہ ہر طرف سے ہوا بتا دیے گئے۔ اس مین شک نہین کہ مسلمانون مین یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ حقوق جب تک مانگے نہ جائین نہین ملتے۔ مثل مشہور ہے کہ "جن مانگا تن پائیان"۔ مولانا ے روم کے ایسے صافی مشرب اور بے نفس صوفی نے بھی یہی تعلیم دی ہے۔ فرماتے ہین

تا نہ گرید طفلک حلوا فروش — دیگ بخشایش نمی آید بجوش

اس سے پیشتر اُن کی وضع اُن اگلے وضعدارون کی سی تھی جو چاہے دم نکل جائے زبان سے اُف نہ نکالتے تھے۔ اور کیسی ہی نازک حالت ہو پیشانی پر بل نہ آنے دیتے تھے۔ گھر مین افلاس سے چاہے فاقہ ہی ہو مگر زبان سے نہ کہتے کہ ہم بھوکے ہین۔ بی بی کے پاس چاہے اوڑھنے کو دوپٹہ نہ ہو مگر وہ باہر اپنی پوری آن بان سے نکلتے تھے۔ اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے کہ ہمارا افلاس اس درجے کو پہونچ گیا ہے۔ مگر ہندؤون اور ہندؤون ہی نہین، آج کل کے تمام شایستہ ملکون اور کل تعلیم یافتہ جماعتون نے اُنھین بتا دیا کہ اب ایسی وضعداری کا زمانہ نہین ہے۔ بلکہ ان دنون جب ہی کچھ ملتا ہے جب مانگو۔ اور البتہ اُسی وقت شنوائی ہوتی ہے جب غل مچاؤ۔ ان باتون نے مسلمانون مین اتنا تغیر بے شک پیدا کر دیا کہ اب وہ حرف شکایت زبان پر لانے اور ضرورت پڑے تو کچھ مانگنے کو تیار ہین۔

مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انکا جوش یا اُن کی استدعائین کوئی شورش

مچائینگے یا کسی قسم کی باغیانہ رفتار اختیار کی جائیگی سخت غلطی ہے۔ ہم تمام ہندو اور
انگریزی اخبارات مین آج کل یہی غل دیکھتے ہین کہ اب ہندوؤن کے جوش کا زمانہ
گذر گیا اور مسلمانون کی باری ہے۔ اور مسلمان اپنی وضع سے پکار رہے ہین کہ ع
دور مجنون گذشت و نوبت ماست۔ لیکن مسلمانون کا ایسا ارادہ ہرگز نہین ہے۔
اُن مین نہ ہندوؤن کے سے اکسٹریمسٹ ہین اور نہ کوئی اس خیال کا آدمی ہے کہ
اپنی ناراضی و مایوسی کو کسی بیہودہ اور بے نتیجہ شورش کے عنوان سے ظاہر
کرے۔ یونیورسٹی کے متعلق اُن کا خیال اسی قدر ہے کہ اگر گورنمنٹ نے
ہماری خواہشون کو سُنا۔ ہماری تمناؤن کا لحاظ کیا۔ اور ہمین ویسی یونیورسٹی
دی جیسی کہ ہم چاہتے ہین تو فبہا۔ اور اس صورت مین ہم گورنمنٹ کے
شکرگزار ہون گے۔ اور اگر ہماری یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو ہم یونیورسٹی کے
خیال ہی چھوڑ دین گے۔ اور علیگڈہ کالج کو جس عنوان سے چل رہا ہے
اُسی طرح چلاتے رہین گے۔ اس کے سوا اور کسی شورش کا نہ اُن کا ارادہ ہے
اور نہ کوئی اُن سے امید رکھنا چاہیے۔

مگر افسوس کہ تمام اخبارات عام اس سے کہ ہندوؤن کے ہون یا انگریزون
کے اُن کے جوش کو بڑھا رہے ہین۔ اور آپ ہی آپ اُن سے غیر معمولی
ایجیٹیشن اور شورش کی امیدین کی جا رہی ہین۔ مسلمانون کی حالت آجکل
واقعی نہایت ہی نازک ہے۔ انھین اُن تمام واقعات کی خبرین پہونچ رہی
ہین جو اُن کے ہم مذہبون کے ساتھ اس دنیا مین ہو رہے ہین۔ مراکو مین
فرانس نے۔ طرابلس مین اٹلی نے۔ ایران مین روس نے جو قیامت بپا کر رکھی
ہے وہ مسلمانون مین غصہ پیدا کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ لہذا اسی تھوڑی
سی تحریک پر اُن سے نا عاقبت اندیشی کے افعال کا سرزد ہو جانا قیاس سے
خارج نہین ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ ان مہربان ہمدردون کے بڑھاوون اور
ابھارون کے بھڑوان مین آکے وہ آپے سے باہر نہ ہو جائین۔

مسلمانون کی حالت ہندوؤن کی سی نہین ہے۔ ہندوؤن کی دنیا ہندوستان
کے اندر محدود ہے۔ وہ ایک مردہ قوم ہین جس کے پاس قومی روایات کا

کر دی۔ اور وہ جو کچھ چاہتے تھے ایجی ٹیشن سے انھیں مل گیا۔ لہذا ہم بھی اسی طرز عمل کو اختیار کریں تو کامیاب ہونگے۔

اول تو یہی کسی صاحب عقل کے نزدیک مسلّم نہیں ہو سکتا کہ بنگالیوں کو ایجی ٹیشن سے کچھ مل گیا۔ اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو یہ کونسی عقلمندی کا فعل نہیں ہے کہ ہم بھی دوسروں کے سے ناعاقبت اندیشی کے مجنونانہ حرکات کرنے لگیں۔ ہمیں اپنی متانت اور سلامت روی کی وضع کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہم ہرگز ایسی بے عقلی کی کارروائی نہ کرینگے۔

ہم کو پہلے اسی امر پر بخوبی غور کر لینا چاہیے کہ ایجی ٹیشن کے معنی کیا ہیں؟ اگر ایجی ٹیشن کے یہ معنی ہیں کہ شورش مچائی جائے، سلطنت کی فرمانبرداری میں کمی کی جائے، جن حکام کو ہم ناپسند کرتے ہوں انکے ساتھ دشمنی ظاہر کی جائے اور ایسے ایسے حرکات سرزد ہوں جن سے ملک کے امن و امان میں فرق پڑنے کا اندیشہ ہو۔ تو ایجی ٹیشن نہایت ہی ناپاک چیز ہے۔ اور اس سے زیادہ بے عقلی کی کوئی چیز ہندوستان کی سرزمین پر نہیں ہو سکتی۔

لیکن اس کے خلاف اگر ایجی ٹیشن کے یہ معنی ہیں کہ اپنی شکایات کو ہم آواز و ہم زبان ہو کے گورنمنٹ کے گوش گزار کیا جائے۔ حکام کو زور و شور اور فصیح و شائستہ زبان میں بتایا جائے کہ مطلوبہ حقوق کے نہ ملنے سے ہمیں کس قدر اور کیسا ضرر پہونچیگا۔ اور جب تک اپنی آرزو پوری نہ ہو جائے اسی دھن میں لگے رہیں اور اپیل پر اپیل کریں۔ تو ایجی ٹیشن نہایت ہی مبارک چیز ہے۔ اور فتح و کامیابی کی حقیقی کنجی وہی ہے۔

ہندو مسلمانوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہندوؤں میں تعلیم یافتہ لوگ زیادہ ہیں۔ ان کا غالب گروہ مذاق جدید سے آشنا ہو گیا ہے۔ جو ہندو فوجی خدمات میں ہیں وہ بھی بہت کچھ عقل اور سمجھ رکھتے ہیں۔ بخلاف اس کے ہم مسلمانوں میں تعلیم یافتہ کم ہیں۔ پرانے مذاق کے لوگوں کی کثرت ہے۔ ہم میں فوجی پیشہ کرنے والی قومیں زیادہ اجڈ اور جاہل ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں میں ایجی ٹیشن کے پیدا ہونے کے بعد اپنی صحیح حدود اور حقیقی مفہوم پر قائم رہنا مشکل ہے۔

ان تمام امور کا لحاظ کرکے مسلمانون کو بہت پھونک پھونک کے قدم رکھنا اور
خوب خیال کر لینا چاہیے کہ "شیخ صاحب زمانہ نازک ہے"۔
لیکن اگر اسوقت دوسرون کے بھروسے مین آکے انھون نے ذرا بھی بے احتیاطی
کی تو وقت سنبھالنا بہت مشکل پڑ جائے گا اور وہی مثل ہوگی ع
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوے

اسلام مین حرمت خمر کا نیا سبب

مسلمانون مین شراب حرام ہے۔ اور یہ ایک ایسی اخلاقی تعلیم تھی جس کو
مسلمانون سے پہلے اور کسی مذہب نے ایسی تعلیم کے ساتھ نہین اختیار کیا تھا جسکی
وجہ سے مسلمانون کا یہ مسئلہ دوسری قومون مین تعجب سے دیکھا گیا ہے۔ اور
اس کی مناسب توجیہین بھی ڈھونڈھ کے پیدا کر لی گئین۔ ہمین بخوبی معلوم ہے کہ
شراب کب اور کس زمانے مین حرام ہوئی۔ کون سے اسباب اس کے محرک
ہوے تھے۔ اور ناگہان اس کے حرام ہوتے ہی مدینے کی گلیون مین شراب
کے خم کس طرح لنڈھائے گئے تھے۔ اور اس قوم مین جس کی گھٹی مین شراب
پڑی ہوئی تھی یک بیک اسکے ممنوع ہوجانے سے کیسا انقلاب ہو گیا تھا۔
ہم نے غیر مسلم مورخون اور مصنفون کی تحریرین بھی دیکھی ہین مگر کسی مین وہ
جدت نہین پائی جو ایک پرانے انگلش سیاح "سرجان مونڈویل" کے سفرنامے
مین نظر آتی ہے۔

یہ بزرگ انگلستان کے شہر "سینٹ البانز" مین پیدا ہوے تھے۔ وہان
کے ایک معزز نائٹ تھے۔ کئی بار زیارت بیت المقدس سے شرفیاب ہو کے
یہ پیشہ اختیار کیا تھا کہ اکثر معزز و دولتمند امراے یورپ کے ساتھ رہبر کی شان سے
آگے انھین شہرون شہرون پھراتے ہر ہر زیارت گاہ دکھاتے تھے۔ یہان ان
سے انھین سیر و سیاحت کا چسکا پڑ گیا۔ جس نے بیت المقدس اور ارض
شام کے علاوہ ممالک تاتار، فارس، ارمن، حبشہ اور ہندوستان کی بھی سیر کرائی
اور دور دور کے سمندرون اور جزیرون مین پھرایا۔ جیسا کہ وہ اپنے سفرنامے

کے دیباچے مین خود تحریر فرماتے ہین

مسلمانون کے مذہب مین وہ بہت پڑھے۔ اکثر سلاطین سے [illegible]
پہونچے جنھون نے تمام درباریون کو نکال کے اُن سے خلوت مین باتین کین
اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ انھین بزرگ نے اپنے سفرنامے کے بارہوین
باب کے آخر مین مسلمانون کے دین و مذہب اور رسم و رواج کے ضمن مین
مسلمانون کی شریعت مین شراب کی حُرمت کی ایک ایسی عجیب و غریب وجہ
بتائی ہے جو آج تک نہین سُنی گئی تھی۔ اور بالکل نئی اور انوکھی ہے۔ نفس

آپ کو اپنی روایتون سے یہ معلوم ہوا ہے کہ "محمد (صلعم) کو ایک نیک
راہب سے بڑی محبت تھی۔ وہ کوہ سینا سے ایک میل کی مسافت پر صحرا کے
اندر رہتا تھا۔ یہ مقام سمندر سے ایک دن کی راہ پر تھا اور عرب سے جو راستہ
بجانب ہند مملکت خالدیہ (چیلڈیا) کو گیا ہے اُس مین سرراہ واقع تھا جہان
وینس کے سوداگرون کے قافلے اکثر بغرض تجارت آیا کرتے تھے۔ محمد (صلعم)
بکثرت سے اُس راہب کے پاس جایا کرتے تھے۔ آپ کے اصحاب کو
گران گذرتا تھا۔ کیونکہ آپ اُس راہب کی نصیحتین بڑی مسرت کے ساتھ
رات رات بھر سُنا کرتے اور اصحاب کو باہر انتظار مین ٹھہرنا پڑتا۔ آخر آپ
کے اصحاب نے تنگ آ کے یہ ارادہ کیا کہ اُس راہب کو مار ڈالین۔ اتفاقاً
ایک دن محمد (صلعم) نے عمدہ قسم کی شراب پی (معاذ اللہ) اور بدمست ہو کے
غافل ہو گئے۔ اُس وقت آپ کے اصحاب نے موقع پا کے آپ کی کمر کی تلوار
میان سے نکال لی اور راہب کو اُسی سے قتل کر ڈالا۔ اور ویسی ہی خون بھری
تلوار بغیر دھوئے و صاف کیے ہوئے اسی طرح میان مین رکھ دی۔ دوسرے
دن صبح کو جب آپ نے اُس راہب کو مقتول پایا تو بہت ہی برہم ہوئے اور
قریب تھا کہ اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالین۔ لیکن اُن سبھون نے ہمزبان ہو کے
کہا کہ "آپ ہی نے تو نشہ مین اُس راہب کو قتل کر ڈالا ہے آپ مین [illegible]
کیا خطا؟" اور آپ کی خون آلود تلوار نکال کے دکھا دی۔ یہ ثبوت دیکھ کے
آپ کو اُن کے کہنے کا یقین آ گیا۔ اُس وقت آپ نے نادم ہو کے شراب کو

[illegible] پینے والون کو بہت بُرا بھلا کہا تھا - یہی سبب ہے کہ پابند دین مسلمان
شراب کو ہاتھ نہین لگاتے - اور بعض پیتے بھی ہین تو چھپ کے - اگر علانیہ
پیین تو بدنام ہو جائین -

مونڈویل کو سلطان مصر کی خدمت مین باریابی بھی حاصل ہوئی تھی -
جس نے اُسے عیسائیون کے بہت سے عیوب بتائے اور اُنھین سُن کے وہ
اس قدر متاثر ہوا کہ کہتا ہے " افسوس ہمارے مذہب اور ہماری شریعت پر یہ بڑا
دھبہ ہے کہ وہ لوگ جو کوئی شرع نہین رکھتے (مسلمان) ہمارے گناہون پر ہمین
الزام دیتے ہین - اور جو لوگ ہماری دینی زندگی کے گرویدہ ہو کے مسیح پر ایمان
لاتے اور دین عیسوی قبول کرتے ہین بوجہ ہماری شرارتون اور ہماری بُری
زندگی کے ہم سے بدرجہا زیادہ بہتر ہوتے اور ہماری حالت دیکھ کے ہمین الزام
دیتے ہین - اور بیشک وہ اپنے خیال مین سچے ہین - کیونکہ مسلمان لوگ
نیکوکار اور دیانت دار ہین - اور مقدس کتاب قرآن کے احکام کی پوری
پوری پابندی کرتے ہین ؛

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانون کی زندگی اُن دنون کیسی پاک صاف
اور سچی دینداری کی تھی کہ ایک متعصب عیسائی سیاح جو مسلمانون کی ہر چیز مین
عیب نکالنا چاہتا ہے - اور حضرت سرور کائنات صلعم کی نسبت کیسے کیسے لغو
اتہامات لگاتا اور لغویات بکتا ہے وہی اُن کے اخلاق اور اُنکی پاکبازی کا
مدح خوان ہے - اس بات کو مسلمان حیرت سے سُنین گے کہ مونڈویل مصر کے
جس فرمان روا سلطان سے ملا تھا اُس کی اعلیٰ قابلیت، ہوشیاری اور
تدبر کی یہ کیفیت بیان کرتا ہے کہ اُس کے سفیر، ایلچی اور جاسوس بلکہ اُسکے دربار
کے بڑے بڑے امرا بھیس بدل بدل کے یورپ کی تمام مسیحی سلطنتون مین جاتے
اور وہان کی ادنیٰ ادنیٰ باتین دریافت کر لاتے تھے - چنانچہ اُس کا بیان ہے
کہ مجھے جب ان باتون پر حیرت ہوئی تو اُس نے اپنے تین امیرون کو پیش کیا جو
یورپ مین ہو آئے تھے - فرنچ زبان مین اہل زبان کی طرح گفتگو کرتے تھے - اور
انھون نے مجھ سے میرے وطن (انگلستان) کی تمام باتین میرے بیان کردین

اور مین حیرت زدہ ہو گیا۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت اس سے ہوئی کہ خود
سلطان نہایت ہی اچھی فصیح فرانسیسی بولتا تھا۔ سچ فرماتا ہے خداوند جل و
علا "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم"۔

ایمان کی خیر

اب تو مسلم یونیورسٹی کا خیال چھوڑ ہی دینا چاہیے۔ ہمارے ایک قابل
و تعلیم یافتہ دوست کا یہ فقرہ ہمین بہت ہی بھلا معلوم ہوا کہ "مسلمانون مین
یونیورسٹی کا خیال ایک لٹریری اور علمی لگزری تھا"۔ بیشک جس طرح دل مین
طرح طرح کی ہوسین پیدا ہو جایا کرتی ہین ویسی ہی ایک ہوس یہ بھی تھی
جو مسلمانون کے ظرف اور حوصلے سے زیادہ تھی۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جس
طرح بعض با مذاق یا خوشامدی لوگ کسی امیرزادے کو دعا دیا کرتے ہین کہ
"خدا کرے آپ لاٹ صاحب ہو جائین"۔ ویسے ہی بعض اگلے بزرگ جوش
محبت مین علی گڈھ کالج کو دعا دیا کرتے تھے کہ خدا کرے یہ کالج یونیورسٹی ہو جائے"
وہ اگلی دعائین یاد رہ گئین اور اولوالعزمی و حوصلہ مندی کے جوش مین سب
سب اسی اُدھیڑبُن مین لگ گئے کہ کالج کو یونیورسٹی بنا دین۔ اس جوش
کے پھیلتے ہی اتنے اتنے بڑے پائے کے اور ایسے ایسے ذی فہم روشناس اسلام
کھڑے ہوے کہ اُنکے رعب سے کسی کو شک یا اختلاف کرنے کی جراءت ہی نہ
ہوتی تھی۔ مگر آخر مین کھل گیا کہ "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا"۔
غنیمت یہ ہوا کہ اس موقع پر مسلمانون نے چارون طرف سے ایسی لے
دے کی۔ اور مسلمان اخبارات نے اس جوش سے متنبہ کیا کہ لکھنؤ مین یونیورسٹی
فونڈیشن کمیٹی کا جو آخری جلسہ ہوا اُس مین غیر معمولی جوش ظاہر کیا گیا اور صاف
کہدیا گیا کہ اگر ایسی یونیورسٹی ملتی ہے تو ہم یونیورسٹی سے باز آئے۔
ہم نے مانا کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے آخری جلسہ لکھنؤ کے موقع پر
مسلمان پبلک کے بعض منتخبہ لوگون کو گانٹھ کے اور بیچ بازار شیرون پر نعرۂ
تحسین بلند کر کے اور زبردستی ان کا گلا دبا کے یہ منظور کرا لیا گیا کہ ایک کمیٹی منتخب

کر دی جائے اور اسکو اختیار دیدیا جائے کہ یونیورسٹی کے سنٹ کو گورنمنٹ سے جس طرح چاہے طے کرے لیکن جس عنوان سے یہ کاروائی کی گئی اُس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے وکلا بجائے اسکے کہ ہماری وکالت کریں اور قوم کی عام منشاء دریافت کرکے اُس پر چلیں اپنے ذہنی مسودون کے پورا کرنے کے لیے اپنے ذاتی مقاصد و اغراض کی وکالت کرتے ہیں - ان لوگون نے اگر ہمارے آئیڈیل کے خلاف اپنی ذلیل ہوسون کے مطابق کوئی یونیورسٹی منظور کرلی اور علیگڈھ کالج کی موجودہ آزادیون کو بھی ہاتھ سے کھودیا تو ایسی یونیورسٹی چاہے کسی نام سے یاد کی جائے ہم اُسے بجائے اسلامی یونیورسٹی کے حسب منشاء گورنمنٹ علیگڈھ یونیورسٹی ہی کہین گے - اور یہ ہرگز تسلیم نہ کرین گے کہ مسلمانون کو یونیورسٹی مل گئی -

ہمارے دوستون کو یاد ہوگا کہ یونیورسٹی کی تحریک کے آغاز جنوری سنہ ۱۱ ۱۹ء کے دلگداز مین ہمنے لکھا تھا کہ " یونیورسٹی کا جو ہمارا آئیڈیل ہے ویسی ہی یونیورسٹی اگر مسلمانون کو مل گئی تو ہم سر آغا خان کی امامت کے قائل ہوکے اُن پر ایمان لے آئین گے - اسکے بعد درمیان مین جب گورنمنٹ کی طرف سے بھی یونیورسٹی ملنے کے وعدے ہونے لگے تو ہمین اندیشہ ہو چلا تھا کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے اور بظاہر ایمان کی خیر نہین نظر آتی - لیکن الحمدللہ کہ خدا نے ایمان تو بچالیا -

بعض بزرگ کبھی کبھی یہ بھی کہہ گذرا کرتے ہین کہ ہماری یونیورسٹی علوم دینیہ و شرقیہ کی ہوگی - لیکن وہ خوب یاد رکھین کہ اسلامی دنیا کے بڑے بڑے شہرون مین ایسی یونیورسٹیان کثرت سے موجود ہین - ہر صاحب علم شخص اپنے گھر مین یا کسی مسجد مین بیٹھ کے درس دیا کرتا ہے - اور اُس کی درسگاہ قطعاً ایک اعلی درجے کی یونیورسٹی ہے - کیونکہ اُسے انتخاب نصاب تعلیم کا پورا اختیار حاصل ہے اور اُس کی عطا کی ہوئی سند ہر جگہ تسلیم کی جاتی ہے - مجھے یقین ہے کہ ہمارے علما جیسی یونیورسٹیان بے دامون اپنے گھرون مین قائم کر سکتے ہین ویسی علیگڈھ کالج لاکھون روپیہ صرف کرکے بھی نہ قائم کر سکے گا -

پہلے یہ بات دیکھنا چاہیے کہ ہمارے خیال مین یونیورسٹی کیا چیز ہے؟

یونیورسٹی ہم اُس علمی جماعت کو مجلس کو سمجھتے ہیں جسے منصب تعلیم و ذات منتخب کرنے کا اختیار ہو - جو صدہا مدارس کے طلبہ اور صاحبان علوم کے مبلغ علم کا امتحان لے اور انھین ہر درجے کی سندین دے سکے - اور ان سندوں کو سلطنت اور رعایا دونون تسلیم کرین - فقط یہ آخری جز ایسا ہے جس کی ضرورت سے ہمین گورنمنٹ کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان مین بخلاف انگلستان کے اور مین سمجھتا ہون کہ دیگر تمام ممالک کے سرکاری ملازمت اور ہر معزز فن کی تعلیم کے لیے یونیورسٹی کا سرٹیفکٹ حاصل کرنا لازمی ہے - کیونکہ ہمارے وطن مین بغیر یونیورسٹی کا سرٹیفکٹ حاصل کیے کوئی شخص اس سرزمین پر جینے یعنی کوئی سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا مجاز نہین ہے - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہندوستان مین جتنے طلبہ ہین عام اس سے کہ وہ کسی علم اور کسی فن کے ہون حصول علم و فن کی غرض سے نہین بلکہ حصول سرٹیفکٹ کے لیے پڑھتے ہین - ظاہر مین تو علم بڑھ گیا ہے - کیونکہ علم کسب معیشت کا ذریعہ ہو گیا لیکن دراصل علم کی جو سچی وقعت پہلے تھی جبکہ لوگ علم کو علم کے لیے حاصل کرتے تھے فنا ہو گئی - اور تمام طلبہ کا مقصود بالذات یونیورسٹی کا سرٹیفکٹ رہ گیا - اور جب یہ حالت ہے تو آج کل یونیورسٹی اُسی تعلیمی جماعت کو سمجھنا چاہیے جو ایسے سرٹیفکٹ دے سکے جو گورنمنٹ کی نظر مین مقبول و حصول ملازمت کے استحقاق کے لیے کافی ہو سکین -

بس اتنی ہی چیز کے لیے ہم یونیورسٹی مانگتے ہین - ہمین دراصل نہ مصر کی قدیم یونیورسٹی الازہر چاہیے ہے اور نہ انگلستان کی کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیان - ہم ہندوستانی ہین اور ہندوستان ہی کے نمونہ کی ایک یونیورسٹی ہمین درکار ہے - تاکہ اُس کے لیے ہم ایک ایسا مناسب کورس بنا لین جس کے ذریعہ سے ایک ہی ساتھ اپنے دین کی بھی اصلاح کرین اور اپنی دنیا کی بھی - اپنے بچون کو جیسا خدا کا وفادار و عبادت گزار بندہ بنا مین ویسا ہی اپنی گورنمنٹ کا وفا شعار فرمان بردار بھی بنا سکین -

لیکن یہ موسیٰن ہین جن کے بھوکے ہندو کے ہم نے کمال حماقت سے
اپنے دین ایمان کو جوے پر لگا دیا تھا - اور آخر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ
ایمان کے لالے پڑگئے لیکن انجام مین خدا نے ایمان کو بچالیا - اور ابھی سے
کھل گیا کہ اب جس یونیورسٹی کی کوشش کی جارہی ہے یہ وہ یونیورسٹی نہین ہے
جس پر ہم نے ایمان کو جوے پر لگا دیا تھا اور نہ یہ وہ یونیورسٹی جسے مسلمان
سچے دل سے چاہتے ہین - لہذا وہ اندیشہ جو ہمین پیدا ہوا تھا جاتا رہا - اور
بڑی مسرت سے کہتے ہین کہ خدا نے ایمان کی خیر کی -

عثمانی سطوت کا خاتمہ

سنہ ۱۹۱۳ء کی سب سے بڑی اور کبھی نہ بھولنے والی یادگار یورپ مین سلطنت
عثمانیہ کا خاتمہ ہے - دنیا مین صرف یہی ایک سلطنت باقی تھی جس کی طرف
مسلمانون کی نظرین اٹھ جایا کرتی تھین - اور جس کے دم سے اُن کی تمام اُمیدین
وابستہ تھین - افسوس اس سال یورپ نے اُس کا خاتمہ کر دیا - اور آل عثمان
کا سارا عروج و اقبال ایک خواب دوشین ہوگیا -

دنیا تغیر پذیر ہے - اور ناکام و نامراد اپنی آرزوؤن مین تھک کے اور ہر
طرف سے مایوس ہو کے کہا کرتے ہین کہ اگر ہم مٹ گئے ہین تو ہمارے مٹانے والے
بھی ہمیشہ نہ جیین گے - ایک دن آئے گا اور ضرور آئے گا جب اُنکی ہستی بھی یون
ہی مٹ جائے گی - مگر ہمین کیا - ہم تو مٹ گئے - اور اسکے بعد وہ مٹے تو کیا
اور رہے تو کیا - "مبادا زسرین کُن فیکون شد شدہ باشد" - لیکن افسوس اس بات
کا ہے کہ ہم بے ہاتھ پاؤن ہلائے میٹ گئے - مسلمان درکنار یورپ کا بھی شاید یہ خیال
نہ ہوگا کہ سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ایسی آسانی سے ہو سکے گا - لیکن ترکون نے آخر
اپنی زندگی دکھا دی -

اس عثمانی سلطنت کے عروج کے آغاز مین پہلے عثمان خان کے اُس خواب
کو یاد کرو جب اُس نے دیکھا تھا کہ اُسکے جھنڈے کے نیچے ایک طرف دجلہ و فرات
ہین - دوسری طرف دریائے نیل ہے اور تیسری طرف دریائے ڈینیوب ہے - پھر

اس کے بعد اس سلطنت کی تدریجی ترقیون کو دیکھو۔ وہ اس عروج کو پہونچی
جب سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو خشکی مین کشتیان چلا کے فتح کیا تھا۔
کنیسۂ سینٹ صوفیا تثلیث کے مرکز سے توحید کا گھر، اور کلیسائے یونان کے
معبد سے مسلمانون کی جامع مسجد بنا تھا۔ اور اس کے بعد اس سلطنت کے روز
افزون انحطاط کو دیکھو۔ صاف نظر آجاتا ہے کہ کسی قسم کا عروج کیونکر تنزل
کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ ترکی کے زوال کا اصلی باعث یورپ
کی جدید متمدن قومون کی ترقی ہے۔ جن کو گوارا نہ تھا کہ یہ پرانی اسلامی سلطنت
دنیا مین باقی رہے۔ سب کے پہلے نوارینو کی بحری لڑائی مین اس کی ساری
بحری قوت فنا کر دی گئی۔ اور ملک یونان کو اس کے قبضے سے زبردستی
نکال کے جنوبی بلقان مین ایک نئی آزاد مسیحی ریاست قائم کرائی گئی جس کی
پیٹھ پر یورپ کا دستِ شفقت تھا۔

اس کے ایک مدت بعد ۱۸۷۷ء مین روس نے اندرونی ریشہ دوانیان
کر کے ممالک بلقان مین شورشین اور بغاوتین کرائین۔ اور جب باغیون کا کوئی
زور نہ چلا تو خود اشتہار جنگ دے کے لڑائی چھیڑ دی۔ جس کا خاتمہ اس پر ہوا
کہ سوا رومیلیا، مقدونیا اور البانیا کے تمام صوبجات ترکی قلمرو سے نکال کے
خودسر ریاستین بنائے گئے۔ اور ان سب کی پشت پناہی یورپ نے اپنے
ذمہ لی۔ صوبجات بوسنیا اور ہرزگوینا برائے نام ترکون کے مقبوضہ قرار
بھی دیے گئے تو ان کا انتظام آسٹریا کے سپرد کیا گیا۔ جزیرۂ قبرس سائپرس
کو انگلستان نے اپنے زیر حکومت لے لیا۔ اس کے چند روز بعد مغربی و جنوبی
رومیلیا جو کوہستان بلقان کے اس پار تھا وہ بلغاریہ کو اور البانیا کا ایک
ساحلی ٹکڑا زبردستی مانٹی نگرو کو دلوا دیا گیا۔ پھر جزیرۂ کریٹ مین جھگڑے پیدا
ہوے۔ اور گو بظاہر یونان کو نہین دیا گیا اور یورپ نے بنا مجموعی قبضہ رکھا
مگر یہ صرف دکھانے کے لیے تھا اصل مین وہ یونان ہی کا ہو گیا۔ اس سے پیشتر
مصر پہ انگریزون کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اب بلقانی ریاستون نے نئی قوت پکڑی

کہ حامیان یورپ کے سہارے پر ٹرکی کے خلاف ہتھیار اٹھا سکیں۔ چنانچہ پیشتر سلطان عبد الحمید خان کے عہد میں یونان نے سر اٹھایا مگر عبد الحمید خان کے تدبر اور ان کی بیدار مغزی نے اس کا سر کچل دیا اور ٹرکی کی فوری کامیابی پر یورپ متحیر ہو گیا۔

لیکن اب یورپ ہی کے بھروسے پر نا تجربہ کار نوجوانان ترک نے اپنے بوڑھے مدبر سلطنت اور اپنے زمانے کے عصر تاجدار کو تخت سے اتار کے جمہوری سلطنت قائم کی۔ عبد الحمید خان کا تخت سے علحدہ ہونا گویا آل عثمان کی سلطنت کے زوال کا دیباچہ تھا۔ شاہی خاندان کا ایک بیکار محض شخص تخت پر بٹھا دیا گیا۔ نوجوانوں نے جمہوریت کا غل مچانا شروع کیا۔ اور قوم کی آزادی پر خوشیاں منائی جانے لگیں۔ یہ نوجوان جوش مسرت میں باہم بغلگیر ہو رہے تھے کہ آسٹریا نے بلقان کے صوبجات ہرزیگووینا اور بوسنیا کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس پر ترکوں نے لاکھ غل مچایا کچھ نہ سنی گئی۔ مجبوراً صبر کر کے بیٹھ رہے۔ لیکن چین سے نہ بیٹھنے پائے تھے کہ یکایک اٹلی نے بہانے سے طرابلس الغرب پر قبضہ کر لیا جو کہ افریقہ میں ٹرکی کا ایک بڑا بھاری صوبہ تھا۔

ترکوں کے پاس کسی قسم کی بحری قوت نہ تھی۔ طرابلس میں نہ فوج بھیجی جا سکی نہ ان کی کسی قسم کی مدد کی جا سکی۔ وہاں کے عرب یا دو چار ترکی افسر جو چھپ چھپا کے وہاں پہنچ گئے جوش و خروش کے ساتھ لڑتے رہے۔ مگر ترکوں کی تیاری پر بھی اٹلی سے ملک پر قابض ہونے کی کوئی صورت نہیں بن پڑتی تھی۔ تو وہ لوگ برابر بلا مقبوضہ پر قبضہ کرتے جاتے تھے۔ اور یہاں ترکی کے بیڑے ابھی تیار نہ تھے۔ کافی فوجیں سرحد پر موجود نہ تھیں۔ غرض انتظام نہ ہو سکا۔ اور جب تک قسطنطنیہ سے نئی فوجیں روانہ ہو سکیں اس سے قبل مقدونیہ اور البانیہ اور روسیلیا پر دشمنوں کا قبضہ تھا۔ اب ترکی لشکر کو یہ توقع ہو چلی تھی کہ امید تھی وہ سب کو مار کے ہٹا دے گا۔ اور پھر اپنے ملکوں پر قبضہ کر لیگا۔ مگر اب یورپ کی درانداز سے صلح کی گفتگو چھڑ گئی۔

اور جب ترکوں کی جانب سے لڑائی پر قطعی آمادگی ظاہر کی گئی تو وہاں یورپ نے یہ دیکھ کے کہ اب لڑائی ہوئی تو ہمارے بلقان کو نقصان پہنچ جائے گا۔ یہ دھمکی دی کہ اگر ایڈریانوپل کو نہ چھوڑو گے اور ہماری تجویز کے مطابق فیصلہ منظور نہ کرو گے تو تمھاری ایشیائی قلمرو میں بھی مناقشہ پیدا ہو جائیگا کیونکہ روس اس ملک پر فوج کشی کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ سابق کی ذلیل وزارت عثمانی ہر طرح کی ذلت گوارا کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔ مگر غیور نوجوانان ترک اٹھ کھڑے ہوئے اور سرکف ہو کے سارے یورپ کے سامنے کھڑے ہو گئے کہ تمھارا جو جی چاہے کرو۔ ہم جان دے دیں گے مگر عزت نہ دیں گے۔

حال کی گذشتہ لڑائیوں میں ترکوں کو بیشک بڑی عبرت کی شکستیں ہوئیں گو اس کا الزام سابق کے ناپاک و نالائق وزرا پر ہے پھر بھی ایک بڑی حد تک ترکوں کو الزام دیا جاتا ہے۔ اور یورپ خوشیاں منا رہا ہے کہ جس شیر سے ہم ڈر رہے تھے وہ بوڑھا ہو گیا۔ مگر ہم مسلمان اصل ترکوں کی شکستوں سے بہت ہی متاثر ہوئے انھیں ملزم ٹھہراتے ہیں۔

ترک بیشک ملزم ہیں۔ مگر اس الزام کے ملزم نہیں کہ انھوں نے اچھی طرح دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ بلکہ اس الزام کے کہ باوجود دنیا کی حالت دیکھنے اور دوسرے ملکوں کی ترقیوں سے واقف ہونے کے انھوں نے اپنی اور اپنے ملک کی کبھی اصلاح نہیں کی۔ یورپ کو یا کسی کو الزام دینا بیکار ہے۔ دنیا کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ زبردست کمزور کو کھا جاتا ہے۔ ہم اسی وقت تک زندہ رہیں گے اور زندہ رہنے کے مستحق ہیں جب تک اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اور جس دن ہم اپنی حفاظت نہ کر سکیں گے اسی دن فنا ہو جائیں گے۔ ترکوں ہی پر منحصر نہیں ساری دنیا کے مسلمانوں میں سب سے بڑا عیب جمود ہے۔ اور ترقی سے وہ اس قدر بھاگ رہے ہیں کہ کسی قسم کی خدمت کی امید نہیں کی جا سکتی۔

ان واقعات کے بعد غالباً ترکوں کے پاس یورپ یا [illegible] مشرقی [illegible]

[illegible] ایشیا میں بھی بہت [illegible] ایشیائے کوچک
شام - یمن - عراق اور عرب انھیں کی قلمرو میں ہیں - مگر کیا یہ صلح اسکی ذمہ دار
ہے کہ یورپ کی ہوس ملک گیری موقوف ہوگئی؟ ہرگز نہیں - یورپ میں ان پر
دست برد حاصل کرنے کا جوش اب اور بڑھ جائے گا - قسطنطنیہ اب ترکون کے
پاس صرف چند روز کا مہمان ہے - اور ان کے قبضہ میں اس کے چھوڑ دینے
کے اصلی معنے یہ ہیں کہ ہم تم کو یکبارگی جلا وطن کرنا نہیں چاہتے - ایشیا کے کسی
شہر میں اپنے مکان بنالو اور نقل مکان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ - کیونکہ وہ وقت
آگیا جب سینٹ صوفیا جامع ایا صوفیہ سے پھر کنیسہ سینٹ صوفیا بنے گا -

گھڑی بھر کو ہم نے مان لیا کہ قسطنطنیہ کو بھی یورپ نے چھین لیا اور
ترکون نے اسے ٹھنڈے دل سے قبول کیا - کیونکہ اس سے مفر نہیں ہو سکتا -
تو اسکے بعد کیا وہ ایشیائے کوچک میں چین سے بیٹھ سکین گے؟ ہرگز نہیں -
اب انھیں ایک گھڑی کے لیے بھی چین نہیں نصیب ہو سکتا - بیشک یورپ
کا ایسٹرن کوئسشن (مشرقی مسئلہ) ختم ہوگیا مگر اب "کوئسشن آف دی ویسٹ
ایشیا" (مسئلہ مغربی ایشیا) پیدا ہوگا - اور سارا یورپ جب اور فکرون سے خالی
ہوگا اسی امر پر طبع آزمائیان کرنے لگے گا کہ ایشیائے کوچک کا کیا انتظام
کیا جائے - اور ہوتے ہوتے چند روز میں عراق پر برطانیہ عظمی - شمالی ایشیائے
کوچک یعنی روم کردستان اور ارمینیہ وغیرہ پر روس - اور شام و فلسطین
پر فرانس اپنے حقوق ثابت کرین گے - اور اس کی تقسیم و تجزیہ کی کارروائیان
چھڑ جائین -

یہ سب کیون ہوا اور ہوگا؟ اس لیے کہ ترکون نے باوجود موقع پانے
کے کبھی اپنی اصلاح نہ کی - محمود خان کے زمانے میں باوجود قوی مخالفتون
کے یہ سبق ضرور لیا گیا تھا کہ فوجون کا لباس - ان کی ترتیب اور اصول
جنگ یورپ کی ترقی یافتہ قومون کے مطابق ہوگئے اور فوج جرمن افسرون
کے زیر تعلیم رکھی گئی - اور اسی کی برکت تھی کہ دولت عثمانیہ کی زندگی دوسری
اسلامی سلطنتون سے زیادہ ہوئی - اور پامال ہونے میں وہ سب سے پچھلی

کے ساتھ او ہٹنے مجبور ہو گے۔

یورپ کی یہ دھمکی کہ "اگر ایڈریا نوپل نہ دو گے تو ایشیائے کوچک مین ہنگامہ پیدا ہو جائے گا اور اسکے ذمہ دار تم ہو گے"۔ ترکون کے لیے اسقدر خطرناک کیون ہے؟ اور اسکے خلاف کرنا ترکون کے حق مین خودکشی کیون خیال کیا جاتا ہے؟

ذرا ایشیائی ٹرکی کا نقشہ سامنے رکھ کر غور کرو۔ کوہ ارارات (جودی) جہان ترکون روسیون اور ایران کی سرحد ملی ہے وہان سے لے کے ساحل بحر اسود تک ترکون کا سرحدی صوبہ ارض روم ہے۔ ارض روم سے قسطنطنیہ تقریباً ۵۰۰ میل۔ بغداد تقریباً ۲۵۰ میل۔ دمشق تقریباً ۴۰۰ میل ہے۔ لہذا اگر فوج کی رفتار یومیہ ۲۰ میل کی رکھی جائے تو قسطنطنیہ سے پچیس دن مین بغداد سے ساڑھے بارہ دن مین اور دمشق سے ۲۰ دن مین ترکی فوج سرحدی صوبہ مین پہونچ سکتی ہے۔ کیونکہ ریل گئی نہین ہے۔ جہاز پاس نہین ہین۔ اور جو دو چار ہین تو حریف کے زبردست بحری قوت کے اندیشے سے اُن سے کام نہین لیا جا سکتا۔ اسکے مقابل روسیون کی ریل سرحد کے قریب تک جاری ہے۔ جو چند ہی روز مین لاکھون سپاہی پہونچا دے سکتی ہے۔

ترکون کے صوبجات طرابزندہ اور قسطمونیہ بحر اسود کے کنارے ہین جن مین روسی جہاز جسوقت جہان چاہین فوج اُتار سکتے ہین۔ نتیجہ یہ کہ جب تک ترک ان سرحدی اور ساحلی صوبون مین لشکر پہونچائین پہونچائین روس اُن کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر چکے گا۔ اور اگر اُس نے تھوڑے حصے پر بھی قبضہ کر لیا تو دول یورپ میں ایشیائی تقسیم کا مسئلہ چھڑ جائے گا۔ اور ترکون کو اس کا موقع بھی نہ مل سکے گا کہ اپنے لشکر سے کام لین۔ اور جان بازی کا حوصلہ بھی نکال سکین۔

افسوس اب وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ اور گذشتہ غفلت کا خمیازہ ایسی بیڑی ہے جس سے مفر نہین ہو سکتا۔

پڑا تھا۔ سنبھالے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اسی قبر مین گر کے دفن ہو جائے۔

مگر سچ یہ ہے کہ ہندوستانی اولوالعزمی کی نسبت پُرانی مَثل چلی آرہی ہے کہ لڑنے والون کے پیچھے اور بھاگنے والون کے آگے۔ اس کی پوری پوری تصدیق ہمین ان ہندوستانی ہمدردان اسلام کے طرز عمل سے ہو رہی ہے۔ جن کا جوش و خروش لڑائی کے وقت تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ترکون مین بھی اتنی ہمت نہ ہوگی جتنی ان مین ہے۔ لیکن اب شکست کے وقت یہ سب سے پہلے بھاگ کے الگ جا کھڑے ہوے۔ اور ایک نیلام ہاتھی کی طرح خود اپنی فوج کو پامال کر رہے ہین۔

خیر عربون ہی کی ہمدردی سہی۔ خدا مبارک کرے۔ مگر عربون سے پہلے یہ تو سیکھ لیجیے کہ ہمدردی کسے کہتے ہین؟ عربون کی وضع ہے کہ جس کا ساتھ دیا دیا۔ پھر مرتے مرتے اُسے نہین چھوڑتے۔ جاہلیت مین بھی حلیف ہم قسم قبائل نسلاً بعد نسلٍ دوستون کی حمایت مین جانین دیا کرتے تھے۔ اور آج بھی عربون کا معمول ہے کہ جس کے ہوے زندگی بھر کے لیے اُسی کے ہو گئے۔ ایسا نہ ہو کہ جیسی پُرجوش ہمدردی آپ نے تُرکون کے ساتھ کی ہے ویسی عربون کے ساتھ بھی کیجیے۔ وقت پڑے پر نکل بھاگیے اور عرب کے بدو غل مچائین "ہندی بطال! ہندی بطال!"

خیر اہل عرب تو ایک پُرانی شریف قوم ہین۔ ہمارے ہندوستانی شرفا کی وضع یہ تھی کہ مظلوم و شکستہ حال کے ساتھ زیادہ ہمدردی کرتے۔ اور ہمدردی کا وقت وہی سمجھا جاتا جب کسی پر آبنے اور وہ کسی مصیبت مین مبتلا ہو۔ ترکون نے جان بوجھ کے اور بغیر مجبور و ناچار ہوے اپنا ملک نہین دیا۔ وہ بہادری سے لڑے۔ قسمت سے جان پر کھیل کے مقابلہ کیا۔ فتح و شکست تقدیری معاملات ہین۔ اُحد مین خود رسول خدا صلعم کو شکست

ہوگئی تھی۔ ایسی حالت مین یہ کون سی شرافت ہے کہ شکست کی خبر سنتے ہی کوئی صاحب ترکون سے بدظن ہوجائین۔

اگر یہ ہم بھی لین کہ ترکون مین انتظامی قابلیت نہین تو موجودہ شکستون اور ناکامیون پر ترکون کو الزام نہین دے سکتے۔ بیرونی سازشون نے [illegible] کے ہاتھوں سے دولتِ عثمانیہ کا خاتمہ کرا دیا۔ سارے یورپ کے اتحاد نے [illegible] پنپنے نہ دیا۔ اور گو انجمن اتحاد و ترقی والون نے قومی بے عزتی سے تنگ آکے اور جان پر کھیل کے وزارت کی بساط اُلٹ دی مگر اس کو کیا کرتے کہ سابقہ وزارت سلطنت کا کام تمام کر چکی تھی۔ اور علاج اُس وقت شروع ہوا جب مرض لاعلاج ہو چکا تھا۔

لیکن اب بھی اگر حرم کعبہ کی حفاظت اور تربت رسول کی حمایت منظور ہو تو ترکون ہی کی مدد کیجیے۔ وہ انھین کو سپر بنا سکتے ہین۔ دنیا بھر کے مسلمانون مین سے اگر کسی مین سنبھالنے کی کچھ طاقت ہے تو وہ ترک ہین۔ مگر مسلمانون سے آج تک عثمانی قرضہ کی رقم تو پوری ہی نہ ہوسکی آئندہ کیا کرین گے؟

ہمارے دوست البشیر، مسلم گزٹ اور الہلال سے ناراض ہین کہ وہ علیگڈہ کالج پر حملہ کر کے ایک قومی ذخیرہ کو جو بن چکا ہے بٹا لگائے دیتے ہین۔ وہ اب اس بات پر آمادہ ہوئے ہین کہ معترضین کو جواب دین۔ مگر جواب دینے سے اچھا ہوگا کہ وہ علیگڈہ کالج ہی کی اصلاح کرین۔ کالج کی حالت جہان تک ہمین معلوم ہوئی ہے نہایت ہی خراب ہے۔ اور کالج اور اس کے لڑکون کی حالت رحم کے قابل ہے۔ وہ ان سے زیادہ اس قومی سرمایہ کی حالت جو خود قوم کا شوق رکھنے والون کے ہاتھ مین سے دیا گیا ہے۔ قوم مین کالج کی جو بے اعتباری ہوتی جاتی ہے وہ جواب دینے سے نہین دور ہوسکتی۔ [illegible] بکرے کی مان کب تک خیر منائے گی؟

ندوۃ العلما اور علامہ شبلی

اس امر پر ہمارے ساتھ ہندوستان کے بہت سے مسلمان متاسف ہونگے کہ مولانا شبلی ندوۃ العلما سے علیحدہ ہوگئے۔ ہم بہت سی باتون مین مولانا شبلی کے خلاف ہین۔ جیسا کہ اکثر ہماری تحریرون سے ظاہر ہوتا رہا ہے۔ لیکن باوجود اسکے ہم اُن لوگون مین ہین جن کی رائے ہے کہ بغیر مولانا شبلی کے ندوہ چل ہی نہین سکتا۔ اور چلا بھی تو وہ وہ ندوہ نہ ہوگا جس کی مسلمانون کو ضرورت ہے۔ یا قوم کے حق مین مفید ہو سکے۔

ہم ابتداے عمر سے مولانا شبلی سے واقف ہین۔ اور بجاے خود یقین رکھتے ہین کہ مولانا ممدوح کی لیاقتون۔ قابلیتون اور نیز اُن کی کمزوریون و لغزشون سے جتنے ہم واقف ہین دوسرا کم ہوگا۔ اور اُن کی زندگی کے روشن و تاریک دونون رخون پر نظر ڈالنے کے بعد ہم یہ رائے قائم کرسکتے ہین کہ کم از کم جب تک مولانا شبلی زندہ ہین ندوہ کو انھین کی پالسی پر چلنا چاہیے۔

بدنصیبی سے مولوی عبدالقیوم صاحب کا ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ جس مین اگر کوئی بے ضابطگی یا کمزوری مولانا شبلی سے ظاہر بھی ہوگئی تو ایسی نہین ہو سکتی تھی کہ اس کی بنا پر مولوی شبلی کی تمام خوبیون سے قطع نظر کر لیا جائے۔ اور اس معاملے مین بھی اس کے ماننے مین کسی کو تامل نہ ہوگا کہ جو عقیدہ مولانا نے برتی وہ ندوہ اور مسلمانان ہند کی فلاح و خیر خواہی پر مبنی تھی اگر اسکو غلطی ہی مانا جائے تو اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ یہ اجتہادی غلطی تھی جو ہمیشہ اور ہر قوم مین قابل معافی خیال کی گئی ہے۔

اب مولانا کا استعفا منظور ہو جانے کے بعد ہم دیکھتے ہین کہ اُن پر سخت نازیبا اتہامات لگائے جانے لگے ہین۔ کہا جاتا ہے کہ بعض عمارات کی زمین جو انھین ندوہ کے لیے دی گئی تھین اُنھون نے داخل نہین کین اور اُن پر اپنی ذاتی سرمایے کی طرح تصرف کیا۔ مولوی شبلی کی شان ایسی بد دیانتیون

ہوتا اور ندوہ میں جو کچھ ہے اسے ہٹا دینا چاہتے ہین۔ گر مولوی شبلی حسابات کی تنقیح مین چاہے کمزور ہون مگر علمی تنقیح مین مداہنت کو ایک گھڑی کے لیے بھی جائز نہین رکھتے۔ لہذا اُن کا ایسی سازشون کا شکار ہونا ضروری تھا۔

ندوہ کے ارکان مین مولوی شبلی کے خلاف مدت سے ایک خطرناک قوت قائم تھی۔ اُن مین ایک گروہ اُن پرانے مذاق کے علما کا ہے جو ضرورِیات زمانہ سے ناآشنا ہین۔ اپنی تنگ خیالی سے معاملات پر اجتہادی نظر نہین ڈال سکتے اپنی مسند پر قائم ہین۔ وہ باصل پسند نہین کرتے کہ سلسلۂ تعلیم مین کسی قسم کا تغیر و تبدل کیا جائے۔ یا اُنکی رائے سے کسی کو اختلاف ہو۔ ایک دوسرا گروہ اُن بزرگون کا ہے جو بجائے خود نہ عالم ہین نہ فاضل۔ بلکہ یہ چاہتے ہین کہ ہم علما کے علم بردار بن کے آگے چلین۔ اور حکام اور گورنمنٹ کی نظر مین یہ دکھائین کہ قوم کے اصلی لیڈر ہم ہین اور علما ہمارے پیرو۔ اُن کا اصلی منشا یہ ہے کہ بہت سی فضیلت کی پگڑیان اپنے پیچھے دکھا کے سرکار کی پگڑی اپنے سر پر بندھوا لین۔

مولوی شبلی نے دونون گروہون کو دبا رکھا تھا۔ اُنھون نے علما کے عام مذاق کے نصاب تعلیم و طرز تعلیم مین اصلاحین کین۔ اور اُن علمبردارون سے جھنڈے چھین کے اس بات کا دعوے کیا کہ علما کے لیے وسائط و ذرائع کی ضرورت نہین بلکہ خود علما کو چاہیے کہ حکام سے ملین اور اپنے اور اُن کے مقاصد پر غور کر کے اپنے لیے سلامت روی کا راستہ بنائین۔ اس کوشش مین وہ کامیاب ہوے اور سچ یہ ہے کہ اسی اصول کی برکت سے ندوہ کے اکثر مقاصد کو انھون نے نہایت ہی آسانی اور صفائی کے ساتھ حاصل کر لیا۔

نصاب تعلیم کی اصلاح۔ گورنمنٹ سے نہایت ہی مناسب موقع پر زمین کا ملنا۔ ایک نہایت ہی عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالنا۔ اور اُسے تکمیل کے قریب تک پہونچا دینا۔ ان ضرورتون کے لیے کافی سرمایہ فراہم کر لینا اور گورنمنٹ سے بغیر کسی شرط کے مدد کا مل جانا۔ یہ سب وہ کام ہین جو مولانا شبلی کے ہاتھ سے تکمیل کو پہونچے اور کسی اور کے ہاتھ سے بمشکل انجام پا سکتے تھے۔

ان کاموں کے لیے سب سے زیادہ ضرورت روپے کی ہے۔ روپیہ جتنا
فراہم ہوا ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُس کا غالب حصہ مولوی
شبلی ہی کی کوششوں کی برکت ہے۔ اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو ندوہ
کے دارالعلوم میں لوکل سرمایہ بہت ہی کم لگا ہے۔ اور باہر سے جسقدر روپیہ
آیا ہے وہ صرف مولوی شبلی کے اعتبار پہ آیا ہے۔

ہندوستان کے علما میں اکیلے مولوی شبلی ہی ہیں جن کو ملک کا بچہ بچہ جانتا
ہے۔ اُن کی بے نظیر اور مقبول عام تصانیف نے اُنھیں ہمالیہ سے راس کماری
تک اور بنگالہ سے افغانستان تک ہر شخص کے دل میں محبوب بنا دیا ہے۔ مصر
اور ٹرکی میں بھی اُنھوں نے ناموری حاصل کر لی ہے۔ وہ جدھر کا
رُخ کرتے ہیں اُن سے پہلے اُن کا ہردلعزیز نام پہونچا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے
شخص کو چند مجہول الحال اور محدود دائرے کے لوگوں کا علیحدہ کر دینا سوا
اسکے کہ کسی سازش پر محمول کیا جائے اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے؟ جس
نگاہ سے قوم مولوی شبلی کو دیکھ رہی ہے اگر ارکان ندوہ بھی اُسی نظر سے
دیکھتے تو بجائے اُن کے علیحدہ کرنے کے اُنھیں آنکھوں پر بٹھاتے۔ مگر جن لوگوں
کو اپنی قدر و منزلت بڑھانے کی ضرورت ہے وہ ایسے شخص کو سوا حسد کی نظر
سے دیکھنے کے قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔

ہم دلگداز کے مضمون میں کبھی کبھی مولانا شبلی کو چھیڑا کرتے تھے جس سے
ہمارا مقصد یہ تھا کہ نکتہ چینی کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔ اور مولانا شبلی
کو عالم آشکارا کر کے اُنھیں متنبہ و ہوشیار کرتے رہیں اور اُن کا مزاج جادۂ
اعتدال سے نہ ہٹنے پائے۔ یہی نتیجہ ہم سلسلۂ نکتہ چینیوں کا بھی تصور
کرتے تھے۔ مگر یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان آشوب زا مضامین سے اُن لوگوں کو
فائدہ اُٹھانے کا موقع مل جائے گا جو مولانا شبلی کو اپنے مقاصد و اغراض کے
خلاف خیال کرتے تھے۔ مگر نہیں۔ ہماری امید کے خلاف یہ نتیجہ نکلا کہ مولانا
ندوہ سے علیحدہ ہو گئے۔ جس سے مولوی شبلی کو تو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچ
سکتا ہاں ندوہ البتہ مٹ گیا۔

مولوی شبلی کی علیحدگی کے بعد ندوہ ہندوستان مین پبلک کا اعتبار ہرگز نہین
قائم رکھ سکتا - بلکہ دور دور کے لوگ جو ندوہ کو مولانا کے ذریعہ سے جانتے
اور اس کے حامی و مددگار تھے سب علیحدہ ہو جائین گے - یہ ہم نے مانا کہ چند
حاسد اپنے گھرون کے اندر آتش حسد کے شعلون پر ایک مزہ دار ہانڈی پکالین
گے لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ سارا ہندوستان اپنا منہ بدمزہ پائے گا -

ہندوستان مین جہان قابل اور سچے خیر اندیشان ملت کی کمی ہے اور
جہان بے غرض خیر خواہ قوم ڈھونڈھے نہین ملتا - ہر کام اسی وقت چل
سکتا ہے جب کوئی سچا ایثار نفس کرنے والا مل جائے - اور اسی وقت تک
چل سکتا ہے جب تک کہ وہ اسی کے ہاتھ مین رکھا جائے - ہندوستان مین
اور وہ بھی مسلمانون مین اس بات کی امید کرنا کہ ہم جس کسی کو منتخب کرین گے
وہ کام کو چلا لے جائے گا نا عاقبت اندیشی اور نادانی ہے - یہ یورپ خصوصاً
انگلستان کا حصہ ہے کہ جس کام کے لیے جو مقرر کر دیا جاتا ہے وہ اسے خوش اسلوبی
سے چلانے لگتا ہے - ہندوستان مین آج تک جو کچھ ہوا ہے شخصی کوششون سے
ہوا ہے اور جس شخص نے آغاز کیا آخر تک وہ کام اسی کی ذات سے وابستہ
رہا - علیگڈھ کالج کو سرسید نے قائم کیا - دیوبند کے مدرسہ کو مولوی محمد قاسم صاحب
نے جاری کیا - اور اسی طرح کے متعدد کام ہین - لیکن سب کا انتظام اسی وقت
درست رہا جب تک وہ اپنے بانی کے ہاتھ مین رہے - اور اسی وجہ سے
کامیاب ہوے کہ اپنے بانیون کی زندگی بھر انھین کے ہاتھون مین رہے تھے -

اسی طرح یہ بھی خوب سمجھ لو کہ ندوہ بھی اسی وقت تک چلے گا
جب تک وہ اسی کے ہاتھ مین ہے جس نے اسے اس درجہ کمال تک پہونچایا
ہے - مولوی شبلی کے بغیر ندوہ بعض لوگون کے لیے سرخروئی کا اور بعض کے
واسطے گورنمنٹ سے خطاب ملنے کا ذریعہ تو البتہ ہو سکے گا مگر ندوہ نہین
باقی رہ سکتا -

ہمین یقین ہے اور یقین کے ساتھ افسوس ہے کہ ہندوستان مین
جہان جہان خبر پہونچے گی کہ ندوہ کو اب مولوی شبلی سے تعلق نہین ہے وہان

فہم کے مناسب چھوٹے چھوٹے خوبصورت فقرے ہین - جو بہت سمجھے ہوئے ہین
ومضمون کو بڑی صفائی وسادگی سے اداکر دیتے ہین -

کہنا تو صحیح نہین ہو سکتا کہ اس نصاب کو مرتب ومنضبط کرنے والے
اپنی کوشش کے انتہائی درجے کو پہونچ گئے - مگر یہ نقش اولین بجاے خود اس قدر
مکمل نظر آتا ہے کہ آیندہ کی کوششین یقیناً اِسے ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کا بے نظیر
نصاب بنا دین گی -

قاعدے مین سرکاری مدارس کے نصاب کی پیروی مین کثرت سے تصویرین
شامل کی گئی ہین - یہ مانا کہ بچے تصویرون کو دیکھ کے خوش ہون گے اور اُنکی
وجہ سے اُن کا دل زیادہ لگے گا - مگر مجھے اچھا نہین معلوم ہوتا کہ مسلمانون کا
قومی نصاب مرتب کرنے مین اسلام کی اِس تہذیب کی طرف سے بالکل بے
پروائی کی جائے - کہ تصویرون کا بنانا اور رکھنا حرام ہے - بیشک ہم سب
گنہگار ہین اور بہت سے خلاف شرع کام مسلمانون سے سرزد ہوتے ہین لیکن
اس پر بھی ہماری معصیت پسندی کو اس حد تک نہ پہونچ جانا چاہیے کہ ہمارے
قومی کام اور ہماری دینی خدمتین اسلامی تہذیب اور دینی شان ہی کو بدل
دین - اگر بچے تصویرون کو پسند کرتے ہین تو اُنھین اُس سے روکنا چاہیے -
نہ کہ ہم ہی اُن کے ایک ناجائز شوق کی پرورش کرین - تصویرون ہی پر
منحصر نہین - ہر ممنوع اور بُری چیز کی طرف نفس انسانی دوڑتا ہے مگر وہ
روکا جاتا ہے - سچ یہ ہے کہ مجھے مسلمانون کے نصاب کی یہ شان اور اُسکے
مرتب کرنے والون کی ایک خلاف شرع کام کے اختیار کرنے مین ایسی جرأت
وبیباکی دیکھ کے بے انتہا تکلیف ہوئی -

سب سے زیادہ نازک کام لڑکیون کا نصاب بنانے مین دینیات
کے رسالون کا مرتب کرنا ہے - ہماری شرع اور فقہ کی کتابین اپنے آغاز ہی
مین ایسے مسائل سے بھری ہوئی ہین - جو باوجود نہایت ضروری ہونے کے
حیا اور تہذیب کے دائرے سے باہر ہین - ہمارے یہان قدیم سے یہ مثل مشہور
چلی آتی ہے کہ "شرع مین شرم نہین" - مگر بچون اور خصوصاً بچیون کو جن ؟

مین ایسے مسائل بتاتا جو اُن کی سمجھ سے باہر ہین اور جن کی تعلیم مین اندیشہ ہے کہ وہی بے شرمی کی تعلیم کا ذریعہ نہ ہو جائین کسی طرح مناسب نہین معلوم ہوتا۔ مگر اس قسم کے مسائل ہمارے آداب دینی مین اس قدر داخل ہین کہ نہ اُنھین لکھتے بناتا ہے اور نہ چھوڑتے۔ ان رسالون کی ترتیب مین یہ دشواری بڑی خوبی سے دُور کر دی گئی ہے۔ اور اوّل سے آخر تک کوئی ایسا مسئلہ نہین ہے جس کی لڑکیون کو تعلیم دینے مین مرد اُستاد کو ذرا بھی حجاب آ سکے۔

دینیات کے پہلے رسالہ مین جو صرف چھوٹے دس صفحون کا ہے عقائد توحید و رسالت کی ابتدائی و ضروری تعلیمون کے بعد کلمے اور قرآن مجید کی چند سورتین ہین جو نماز کے لیے کافی ہو سکین۔ دوسرا رسالہ ۲۰ صفحون کا ہے۔ اس مین مختصر طور پر ارکان اسلام۔ نمازون کے اوقات۔ شرائط نماز وضو۔ غسل۔ اور تیمم کے طریقے اور نماز کی ترکیب بتائی گئی ہے تیسرا رسالہ ۱۲۰ صفحون مین پورا ہوا ہے۔ اور اُس مین طہارت۔ نماز۔ روزے۔ زکوٰۃ۔ اور حج کے ضروری مسائل نہایت ہی عمدگی و وضاحت سے دلچسپ سادی عبارت مین بتائے گئے ہین۔ تاکہ بچیان ضروری عقائد و عبادات سے بخوبی واقف ہو جائین۔

دینیات کا سلسلہ غرض بہت ہی اچھا ہے اور بچیون کے پڑھانے کے علاوہ اس قابل ہے کہ ہر پڑھی لکھی مسلمان عورت اُسے منگوا کے اپنے پاس رکھے اور اوّل سے آخر تک پڑھ جائے۔

ان رسالون کی تقطیع اور لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی ہے اور ہمین یقین ہے کہ تمام مسلمان لڑکیون کے مدارس مین یہ نصاب جاری ہو جائیگا۔

دار السلطنت ترکان آل عثمان

دولت عثمانیہ اس لڑائی کے بعد اس درجے کو پہونچ گئی کہ اب ہمین اُس کا خاتمہ سمجھ لینا چاہیے۔ مسلمان جس کو چاہے ٹھنڈے کلیجے سے برداشت

ین! پرسوزاہوں اور چلتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ۔ مگر برداشت ازنا
گا۔ خدا کی یہی مرضی معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ پوری ہو کر رہے گی۔ مگر اس
فع پر جبکہ قسطنطنیہ کے انجام کی نسبت کوئی قطعی رائے نہیں قائم کی جا سکتی
جاتا بے موقع نہ ہوگا کہ مسلمانوں اور آل عثمان کا مستقر خلافت ہونے کے
نے میں قسطنطنیہ کی کیا شان رہی۔

سلطان محمد ثانی نے جس شان سے اس شہر پر قبضہ کیا ہے اُس کا
سین امتیہ میں دلگداز کے مضمون پر شرح و بسط کے ساتھ شائع ہو چکا ہے
ششہ میں ترکوں کے ہاتھ سے فتح ہوا تھا۔ کسی فاضل شخص نے اُسی
ت اُس کا تاریخی نام "بلدۂ طیبہ" قرار دیا۔ جن الفاظ سے سال فتح
وم ہو سکتا ہے۔ اسی سال یہ شہر ترکوں کا دارالسلطنت قرار پا گیا۔
اسلام نے اس سرزمین کو کچھ ایسے ذوق و شوق سے قبول کیا کہ ۱۳۷
ال بعد دیکھا تو یہ خاص اسلامی شہر اور بڑا زبردست مرکز اسلام تھا۔
در "اسلام بول" کہلاتا تھا۔ جس کے معنی ترک و عرب تو "سرزمین اسلام"
یال کرتے اور ہم ہندوستانیوں کا یہ خیال تھا کہ "اس سے اسلام کا بول
لا ہے"۔

چنانچہ حسب بیان مصنف "اخبار الاول" ۹۹۴ھ میں بعہد
خ اسلام قضایا آفندی شہر کا بندوبست کیا گیا تو ثابت ہوا کہ قسطنطنیہ
ن مسلمانوں کے ۳۹۰۸۰۔ یہود کے ۴۹۸۵۔ اور مسیحیوں کے ۴۹۰۰
لے تھے۔ ۴۰۰ جامع مسجدیں تھیں جن میں جمعہ کی نماز ہوتی۔ ۴۵۹۶
م مسجدیں تھیں جن میں محلوں کے مسلمان پنجوقتہ نماز ادا کیا کرتے۔ ان کے
بل مسیحیوں کے کنیسوں کا شمار ۵۴ تھا۔ ۱۶۵۴ بچوں کے مکتب او
۵۰ اعلیٰ تعلیم کے مدرسے تھے۔ پینے کا پانی پہونچانے کے لیے
شہر کے اندر ۹۰ چشمے شب و روز جاری رہتے۔ ۵۲۲۰ رستوران یعنی
بھٹیار خانے تھے۔ جن میں تکلف و آرام سے بیٹھ کر لوگ کھانا کھایا کرتے
۲۰۰ نبیوں کی دودھ کی تھیں۔ و ۵۰۹۸ بازار تھے۔ ۲۳۵۲ قہوہ خانے

ایک اسماعیلی داعی کا حملہ شیعون اور سنیون بلکہ تمام مسلمانون پر

آج دلگداز مین ہم مولانا ولی محمد اسماعیل صاحب مقیم بمبئی کا ایک طولانی مضمون درج کرتے ہین جسکے لیے ہم کو دلگداز مین آٹھ صفحے بڑھا دینا پڑے۔ یہ ہم کو معلوم ہے کہ جس طرح شیعیان اثنا عشری کے نزدیک امامت کے مانے بغیر ایمان درست اور قابل قبول نہین ہوتا اُسی طرح اسماعیلی شیعون کے اعتقاد مین بغیر اُن کے امامون کے مانے دین کی تکمیل نہین ہو سکتی۔ مگر یہ نہین معلوم تھا کہ ائمۂ معصومین کے داعیون کو بھی یہ رتبہ حاصل ہے کہ مسلمان جب تک اُن کو نہ مانین اور اُن کے کہنے پر عمل کرین ناجی نہین ہو سکتے۔ نہ اُنکی توحید مقبول ہو سکتی ہے نہ رسالت نہ امامت۔ اور کلمۂ توحید اُنکے مُنہ پر اُلٹا مارا جائے گا۔ اب پتہ لگا کہ مفتکانۂ مغتم کے ساتوین اسماعیلی امام کا پتہ مل گیا اور اُنکے داعی مولانا محمد برہان الدین تھے۔ جن کے فرزند ابو محمد طاہر سیف الدین نے تمام اسماعیلی بوہرون کو ایک نئی تبلیغ فرمائی ہے۔ افسوس مضمون نے یہ نہین بتایا کہ مفتکانۂ مغتم کے ساتوین امام کون بزرگ ہین۔ کہان تشریف رکھتے ہین اور اُن کا نام کیا ہے۔ اور اگر امامت مخفی ہے تو بغیر مولانا برہان الدین کو وہ مخفی امام جو سبعۂ مغتم کے ساتوین ہین کہاں ملے۔ کیونکر ملے۔ کس ثبوت اور کس شہادت سے انھون نے اُنکو اپنا داعی مطلق مقرر فرمایا۔ اور یہان تک شہادت دیدی کہ ساری دنیا کے مسلمانون کو کافر بنا دین۔ اور کہہ دین کہ بغیر اُن کی دعوت ماننے کسی کا کلمۂ توحید قبول نہ ہوگا۔

ہم کسی کے عقائد پر اعتراض کرنا پسند نہین کرتے۔ مگر پھر بھی اسکو گوارا نہین کر سکتے کہ کوئی بزرگ اپنی فضیلت منوانے مین ساری دنیا کی دل آزاری کرنے لگین۔ مسلمانون کی ناراضی در حقیقت بجا ہے اور سارے ہندوستان کے مسلمانون کو بیشک ادھر توجہ کرنی چاہیے۔ ہم اتنا ضرور کہین گے کہ اس تعلیم و ترقی کے زمانے مین جبکہ تمام مصلحتین تعصبات کو گھٹا کے اسلام کے مختلف فرقون کو ایک جماعت مین ملانا چاہتی ہین۔ جبکہ سارے ہندوستان کے مسلمان

نے نام [illegible] سے کہ شیعہ ہون نہ سُنّی۔ [illegible] مرزا خان کو سب نے مذہبی و
دنیوی لیڈر مان لیا۔ اور ہر طرف سے دوستی و اتحاد کے لیے سب کے ہاتھ اور
ہاتھوں کے ساتھ دل باہم مل رہے ہیں ایسے وقت میں مولانا ابو محمد طاہر سیف الدین
صاحب کو کیا ضرورت پیش آئی کہ اپنے پیروؤں میں ایک ایسی تحریک فرمائیں
جو تعصب کو بڑھانے اور باہم تفرقہ ڈال کے ساری دنیا کے شیعوں اور سنیوں
کی دلشکنی کرنے والی ہے۔ مسلمانوں میں تحریک شروع ہوئی ہے کہ ان کی اس
متعصبانہ تبلیغ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ ضرور کی جائے۔ مگر زیادہ
اچھا ہو اگر مقتدایان ملت ناجیہ وسیع خیالی کی بنا پر ایک مذہبی کانفرنس قائم
کرکے تعصب کی بنیاد کو منہدم کر دیں۔ اور باتفاق ایک قرارداد [illegible] کہ ہر فرقہ
کے مقتدا باہمی جھگڑوں سے دست بردار ہو کر اپنے پیروؤں کو فقط ایسی
باتیں بتایا کریں جو خدا پرستی و عبادت اور اپنی فقہ و شرع کا پابند بنانے
تک محدود ہوں۔ اور ایک دوسرے میں تفرقہ ڈالنے اور رنجشیں پیدا کرنے
کے عوض اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے والی ہوں۔ امید ہے کہ [illegible]
داعی ابو محمد طاہر اور ان کے پیرو بوہرے بھی ہماری اس التجا کو غور سے
سنیں گے۔

افریقہ میں مسلمانوں کی کامیابی

مسلمانوں کی عجیب و غریب فتوحات میں ایک واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے
جس نے افریقہ کو ہمیشہ کے لیے اُن کی قسمت میں لکھ دیا۔ اور وہاں کے لوگ
ایسے مسلمان ہوئے کہ زمانہ ہزار کوشش کرے مگر وہ دین اسلام سے نہیں
پھر سکتے۔ اس سے قبل یونانی فرمانرواؤں قسطنطنیہ نے افریقہ کی قوموں
کو عیسائی بنا کے اپنا مطیع کر لیا تھا۔ اگرچہ شام اور ایشیائے صغریٰ کی لڑائیوں میں
مسلمانوں نے ہرقلوس شاہنشاہ روم کو ضعیف و ناشائستہ کر دیا تھا اور
اُس میں اتنی قوت نہیں باقی رہ گئی تھی کہ کبھی [illegible] مقابلہ کا خیال بھی
کر سکے۔ لیکن وسط افریقہ کی بربری قومیں ہنوز یونانیوں [illegible]

[illegible] چاہیے کہ [illegible]
وہاں کی قوموں نے [illegible] کے جوش سے خلفا کی مزاحمت میں ایک آخری کوشش دکھا دی۔ اور اُس کوشش میں ایک حد تک انھیں کامیابی ہوئی۔

لیکن اس واقعہ کے شروع ہونے سے پہلے ذرا اُس عہد کی ایک مختصر سی تصویر تو دیکھ لیجیے۔ اسلامی بہادری کے شباب و عروج کا زمانہ ہے۔ عرب سپہ سالاروں نے ساری دنیا کو مطیع کر لیا۔ جناب رسالت کے صحبت یافتہ لوگوں میں جو بڈھے زندہ ہیں وہ خوب خوب جاں فشانیاں دکھا کے اپنے نام کو چار دانگ عالم میں مشہور کر چکے اور اب خانۂ کعبہ یا جوارِ رسولؐ میں بیٹھ کے یادِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ جن نوجوانوں کے سینے میں حرارتِ دین کی نئی آگ شعلہ زن ہوئی ہے اُنھوں نے ترقیِ اسلام کا جھنڈا اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ہے۔ وہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کوئی موقع ملے جہاں جاں بازی کا امتحان دے کے مستحقِ ثواب ہوں مگر نہیں ملتا۔ آباد دنیا پر علمِ اسلام لہرا رہا ہے۔ ہاں غیر آباد اور وحشیوں سے بھری ہوئی چند سرزمینیں نظر آتی ہیں۔ جن کی طرف وہ وطن کی خوبیاں اور مہذب دنیا کی لذتیں اور آسائشیاں چھوڑ چھوڑ کے جاتے ہیں کہ اور کہیں نہیں تو یہیں سہی۔ ہاتھ پاؤں سے مشقِ سپہ گری تو نہ چھوٹے اور دل میں جوشِ جہاد تو نہ پھیکا پڑے۔ دمشق کے تختِ خلافت پر بنی اُمیہ میں کا باجبروت خلیفہ عبدالملک بن مروان جلوہ آرا ہے۔ [illegible] کی اولوالعزمیاں دنیائے اسلام کو ہر روز ایک نئی فتح کی خوشخبری سناتی ہیں۔

طرابلس واقعِ افریقیہ کی لڑائی میں مقتدائے نصاریٰ گرگوری کو شکست ہو گئی ہے۔ اُس کی بہادر نازنین اور ذی علم لڑکی اپنے باپ کے قاتل عبداللہ بن زبیر کے پہلو کو آباد کر رہی ہے۔ اور ان کامیابیوں کے بعد افریقیہ و بربر کے صحرا نشینوں نے رومیوں کی کمک سے مایوس ہو کر اپنی آزادی بچانے کی خود اپنی قوت کے بھروسے پر ایک جدید کوشش کیونکر کی ہے؟ سنیے۔

تب ان میں عجیب جوش پیدا ہوا اور یہ ہیبت ناک تدبیر ہوئی - طنجہ سے (جو
افریقیہ کی انتہائے ارض مغرب مین واقع ہے) طرابلس تک کل عمارتین منہدم اور
مسمار کر دی گئین - کوئی گھر ایسا نہ تھا جو بچ رہا ہو - حتی کہ قلعے بھی توڑ پھوڑ کے
برابر کر دیے گئے - وہان سے یہان تک جتنے پھلدار درخت تھے سب کاٹ کے
گرا دیے گئے - الغرض پیداوار کے جتنے ذریعے تھے ان عقلمندون کے ہاتھون
سب نذر ہو گئے - مختصر یہ کہ جو سرزمین تر و تازہ اور شاداب باغ کی حیثیت
رکھتی تھی ایک لق و دق صحرا بنا دی گئی - ادھر پچھلے مورخون کو اکثر اُن
لوگون کی حماقت اور اُس عہد کی تباہی و بربادی کے مٹے مٹے آثار آج بھی نظر
نظر آتے ہین - اور حسرت کا سمان دیکھ کے متاثر ہو جانے والے آج بھی وہان جا کے
دو آنسو بہا آتے ہین - افریقیہ کے یہ بلاد جو سواحل بحر روم پر واقع ہین - اصل مین
نہایت ہی زرخیز اور سرسبز و شاداب واقع ہوے ہین - اُن کی دولتمندی کی
اُن دنون شہرت تھی - مگر کاہنہ کے ہاتھون وہ ملک تباہ و برباد ہو گیا اور ایسا
تباہ ہوا کہ زمانے نے اتنے دنون مین بہت سے چکر کھائے - مسلمان قومین بارہ سو
برس کے بعد ضعیف ہونے لگین - اور بر اعظم افریقیہ کے گرد دول یورپ کے
جہاز چکر لگانے لگے - مگر اُس عہد کی تباہیان آج بھی اُسی طرح نمودار ہین -
انگریزی مورخین اعتراض کرتے ہین کہ اہل اسلام کو چونکہ خلاف عقل باتون
سے اُنس ہے لہذا انھون نے کاہنہ کو بھی ایسا الزام دے دیا - وہ کہتے ہین
کہ اس سے تین سو برس پہلے جو تباہی ونڈال وغیرہ قومون کے ہاتھون سلطنت
روم کو اور نیز اُس کے ماتحت ممالک کو نصیب ہوئی تھی اُس مین کاہنہ کی
پالیسی نے شاید کچھ اضافہ کر دیا ہوگا - مگر یہ نہین قیاس مین آتا کہ اُس نے
سارا ملک کیونکر تباہ و برباد کر دیا - مگر ہمارے نزدیک مسلمان مورخون کا بیان
اتنا حیرت انگیز نہین ہے جتنا کہ ان پچھلے اصحاب الرائے مورخین یورپ کا انکار
حیرت انگیز ہے - مسلمان اس سے بہت پہلے سرزمین افریقیہ کے مالک ہو چکے
تھے - انھون نے طرابلس مین گرگوری اور اُس کی بیٹی کی فوجون کو شکست
دی تھی - اور اُن کا نامور سردار عقبہ بن نافع مراغہ کی سرزمین طے کر کے افریقیہ

...ئب ... ت ... ... کے ... جب ہمین کبھی ہو ... ہوش
...بندہ دیکھ کے تحت الثریٰ مین پھینکا تو یہ حالت ہوئی کہ دوسرون کو
...بھانا کیسا ہم کو خود اپنا ہی سنبھالنا مشکل ہوگیا - اور ایسی بداخلاقیان
...رجہالتین ہم مین پیدا ہوگئین کہ بالکل گئے گذرے ہوے - اور ایسے ہوگئے
...نہ دین ہی کے کام کے رہے اور نہ دنیا کے - ایسی حالت مین سچ پوچھیے تو
...لام بالکل بے بس و بیکس تھا -

لیکن اس سے زیادہ حقیقت اسلام کی کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ جب خدا
...ہمین بیکار دیکھا تو خود اپنے دین کی مدد پر آمادہ ہوگیا - اُس نے ہم کو ہماری
...حالت مین چھوڑا اس لیے کہ اُسے قیامت کے دن ہم سے بہت کچھ
...ز پرس کرنا تھی - اور اپنے پاک دور، طمینان بخش الہام کو چند ایسے لوگون
...دل مین بھیجا جو یورپ و امریکہ کے رہنے والے وہان کے مذاق سے واقف
...ن کی خوبو سے خبردار اور اُن ممالک مین تبلیغ اسلام کے لیے ہر متنفس سے
...دہ مناسب ہین - اور جس طرح عرب کے جاہلون کی ہدایت کے لیے آنحضرت
...ی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جو انھین لوگون کے ہمقوم اور انھین کے ہم مذاق تھے
...ی طرح خدا نے یورپ کی ہدایت کے لیے مسٹر کوئیلیم اور امریکہ والون کی
...بری کے لیے مسٹر الکزنڈر رُوب کو پیدا کیا - اور بالکل وہی ہوا جو خداوند جل و
...نے اپنے کلام پاک مین فرمایا ہے کہ " ہم نے تمھین مین سے ایک رسول تمھارے
...ن بھیجا "

بے شک ہمارے لیے یہ تھوڑی عبرت کا معاملہ نہ تھا کہ باوجود مسلمان ہونے
...خدا نے یہ دینی کام لینے کے لیے ہم مین سے کسی کو منتخب نہین کیا - اور اس
...ت سے ہم یون محروم رکھے گئے - اور اس عبرت کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہم
...گناہون سے توبہ کرتے - اپنے اخلاق کو درست کرتے - اور جہان تک مکان
...ہوتا اُن خدا کے بھیجے ہوے فرشتون کی اعانت و قدر کرتے جو کوئیلیم اور
...ب کے نام سے یورپ و امریکہ مین ظاہر ہوے ہین - لیکن نہین ہم کو اب بھی
...ت نہین ہوتی اور آج تک گویا ہم یہ سمجھے ہی نہین کہ قدرت نے دین

جو ہماری نااتفاقیوں کی وجہ سے ان گذشتہ تیرہ سو برس کے اندر دامن اسلام
پر لگائے گئے - عبرت کا مقام ہے کہ اپنی اصلاح درکنار ہم چاہتے ہین کہ اپنی
طرح ان لوگون کو بھی انھین فساد انگیز جھگڑون مین ڈال کے مبتلا کردین - ہم کو
تو چاہیے تھا کہ ان لوگون کی مثال کو دیکھ کے اور اپنی اصلاح کرتے - نہ کہ اپنے
ساتھ انکے بھی خراب کرنے کی کوشش کرین -

سب سے زیادہ لوگون کو اس امر مین چندہ کا ذکر ناگوار ہوتا ہے - یہ
آواز ابتدا از کئی بار سر سید کے گروہ سے سُنی گئی تھی، لیکن جہان تک دریافت
کرنے کا موقع ملا یہ معلوم ہوا کہ خود سر سید کو تازہ مسلمانان یورپ و امریکہ کے
بیان مین تو کوئی شک نہین مگر ہان اُن کا خیال کسی مصلحت سے یہ البتہ ہے کہ
کہ مسلمانان ہند کو پہلے روپیہ اپنے ہی اصلاح مین صرف کرنا چاہیے - اور انکا
یہ کہنا انکے لیے کسی حد تک زیبا بھی ہے - کیونکہ انھون نے ایک بہت بڑے کام
کو اپنے ذمہ لیا ہے اور در اصل وہی ایک کام کر سکے ہین جسکو قوم کی تاریخ مین
ایک وقعت کے ساتھ جگہ دی جا سکے - اور اس بنا پر اگر وہ اپنے معاملہ مین
خود غرضی کرین تو انکا حق ہے - اس مین کوئی شک نہین کہ ان کا شمار ان لوگون
مین ہے جو خود قوم سے روپیہ کے طالب ہین - اور یہ عام قاعدہ ہے کہ ایک
مانگنے والا یہی کہے گا کہ جو کچھ ہو ہمین کو دو اور ہم سے زیادہ کوئی مستحق نہین -
مگر وہ لوگ جو روپیہ کے دینے والے ہین وہ بجائے خود خیال کر سکتے ہین کہ مسلمان
سب بھائی ہین اور سب کی اعانت ایک ذی استطاعت پر فرض ہے - ان
تمام فرضون مین سے جو جس فرض کو پورا کردے سمجھنا چاہیے کہ اُس نے اپنا
قومی یا دینی حق ادا کیا - اور اگر قیاسات کی بنا پر ترجیح کی بحث کی جائے تو ہمکو
یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ ہمارے نزدیک تو سب سے پہلے ہمین کو اُن مسلمانان
یورپ کی مدد کرنا چاہیے - اس لیے کہ ہمارے نزدیک کہ [illegible] انقلاب دولت
کی مار کھائے ہوئے مسلمانان ہند سے ترقی کی کبھی امید نہین کی جا سکتی - اگر
اب اسلام ترقی کر سکتا ہے تو اُسی وقت جبکہ جدید تعلیم یافتہ قومین علم اسلام
منہ سے بڑھ کے علمی جہاد شروع کرین - لہذا جسکو جو کچھ دینا ہو انھین لوگون کو

ہاتھون جو سختیان برداشت کین وہ سن ناگفتنی کے قابل ہین - لگر ... جب

تو ہمنے دیکھا - ہم ہی نے نہین ہمارے ساتھ ہزارون آدمیون نے دیکھا -
ہر طرح سے اُنکے خیالات اور ارادون اور اُنکے عقائد اور نیت کی جانچ
پڑتال کی - اور قطعی طور پر ہر شخص نے اپنا اطمینان کر لیا کہ ایسا آدمی ہرگز فریبی
اور مکار نہین ہو سکتا - ہمارے دوست جنھون نے غالباً ایک پیسہ بھی ان
اغراض کے لیے اپنی جیب سے نہ دیا ہوگا اور صرف اورون کی فیاضیون
کے روکنے کی کوشش کر رہے ہین - انکو کبھی اسپر غور کرنا تھا کہ ہندوستانی
جو کچھ دے رہے ہین وہ صرف اپنے اسلام اور اپنی دینداری کے اظہار
کے لیے - ورنہ جو کام ہونے والا ہے وہ انکے روکے نہ رُکے گا - خدا نے
جس طرح ان پاک نہاد لوگون کے دل مین اپنے الہام کے ذریعہ سے اسلام کا
نور چمکایا اور تبلیغ دین کے واسطے ان غیبی فرشتون کو کھڑا کر دیا اسی طرح
وہ روپے کا سرانجام بھی کر دے گا - جس کام کو خدا نے چاہا ہے وہ رُکنے
والا نہین ہے - ہم قیاس کر سکتے ہین کہ یورپ و امریکہ مین اسلام پھیلانا
خدا کی مرضی ہے - اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایسے لوگون کو پیدا ہی
نہ کرتا - مگر ہماری بے توجہی سے نہ تو ان لوگون کا کچھ بگڑے گا اور نہ یہ
کام رُکے گا - ہان البتہ یہ ثابت ہو جائیگا کہ ہم کیسے مسلمان ہین اور ہم کو
اسلام سے کہان تک تعلق ہے - ہماری نالائقی کا اثر خود ہمین پر پڑے گا -
اور ہمین اس جُرم مین پکڑے جائین گے -

نہایت بڑے افسوس کی بات ہے کہ نور افشان و چند اُسی کے ایسے
دیگر عیسائی اخبارون کے ساتھ چند مسلمان اخبار بھی اس امر مین اُن کے
ہمزبان اور ہم مذاق نظر آتے ہین اور اُنکے ہاتھون بھی اسلام پر وہی ظلم ہو جو
متعصب مسیحیون کے ہاتھون ہو رہا ہے -

ہمین اس مخالفت کی پردہ مین بعض پارٹی فیلنگ والے بھی نظر آتے
ہین - ہم دیکھتے ہین کہ بعض غیر مقلد اس لیے اختلاف پر جمے ہوے ہین
کہ یہ نو مسلم مقلد ہون گے - اسی طرح بعض حضرات شیعہ اس خیال مین ہین

[illegible] سنّی ہوں گے [illegible] میں ہمیں [illegible] ہے [illegible]
میں ایسے لوگوں کے موجود ہونے پر شرم آتی ہے۔ اول تو ابھی کون جان
سکتا ہے کہ یورپ کے مسلمان کون ہوں گے اور کس طریقہ کو پسند کریں گے۔
کیونکہ ابھی تک وہ ان مباحث میں پڑے ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض کسی فرقہ
میں ہوں بھی تو کیا مضائقہ ہے۔ مسلمان تو ہوں گے۔ اہل قبلہ میں تو ان کا
شمار ہوگا۔ توحید و رسالت پر تو ایمان رکھیں گے۔ مگر افسوس تعصب نے
ہمیں اسلام کے اغراض اس قدر بھلا دیے ہیں کہ ہم نے صرف فروعات کو
ایمان سمجھ لیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک شاید نہ خدا پر ایمان لانا موجب نجات
ہے۔ نہ رسول پر ایمان لانا موجب نجات۔ ان کے نزدیک اگر سنّی ہیں تو ابوبکر
و عمر کی محبت۔ اگر شیعہ ہیں تو علی کی ولایت اور امام حسین کی شہادت۔ اگر
مقلد ہیں تو ائمہ اربعہ کی تقلید۔ اور اگر غیر مقلد ہیں تو محدثین کی صرف زبانی
تعریف۔ اگر بدعتی ہیں تو قبروں کے آگے سجدہ کرنا۔ اور اگر وہابی ہیں تو
بزرگان دین کو گالیاں دینا۔ یہ ہے وہ اسلام جس کی طرف ہمارا ہر فرقہ تازہ
ایمان لانے والوں کو بلاتا ہے۔ لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان سب کے اسلام
سے وہ اسلام اچھا اور پاک و صاف ہے جو مسٹر کوئیلیم اور مسٹر ویب کے
دل میں ہے۔ خدا مسلمانان یورپ کو ان آفتوں سے بچائے۔ اور اگر وہ بھی
ان بلاؤں میں پھنسے تو پھر ترقی اسلام کی کوئی امید نہ باقی رہے گی۔

اسلام کی اصلی غرض توحید تھی۔ جو اول سے آخر تک قرآن پاک کی
ہر آیت سے ٹپکتی نظر آتی ہے۔ جب تک صحابہ صرف اس غرض کو پورا کرتے
تھے اور توحید کے سوا کوئی خیال ان کے ذہن میں نہ آتا تھا۔ اس وقت تک خدا
نے انکی ایسی مدد کی جو دنیا میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ لیکن مسلمانوں نے ادھر
اس غرض کو چھوڑا اور ادھر خدا نے اپنا برکت اور اعانت کا ہاتھ انکی
جماعت پر سے اٹھا لیا۔ بعد والے مسلمانوں کا کیا ذکر۔ ہم تو کہتے ہیں کہ جس
وقت علی اور معاویہ کی ہمدردی کے خیالات پیدا ہوئے اس وقت خدا نے
خود صحابہ کی مدد کرنا چھوڑ دی۔ اور گویا اسی وقت سے غارت اسلام میں

[illegible] ہے۔

اب تو اس بات کا زمانہ ہے کہ ان سب جھگڑوں کو ہم چھوڑ دیں اور
[illegible]س وحدہٗ لاشریک کی طرف توجہ کریں جو ہر مصیبت سے انسان کو نجات
[illegible]لاتا ہے۔ کیونکہ بغیر اس کی مدد کے کچھ نہیں ہو سکتا۔

خاندانِ نبوت

انگلستان کے نامور اور مستند مورخ مسٹر گبن نے خاندانِ نبوت کی نسبت
لکھا ہے کہ ایران کے شاہی قوموں سے [illegible] کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان
معزز اور شریف بتایا گیا۔ اگرچہ ہم کو یہ بیان دیکھ کے یقین ہو گیا کہ باوجود
ایک بہت بڑی اور عمدہ تاریخ لکھنے کے مسٹر گبن عرب کی طبائع کا بالکل اندازہ
نہیں کر سکے۔ لیکن سرزمین عرب کے حالات گبن نے جس تفتیش سے لکھے ہیں
نکلے ہی لحاظ سے یہ [illegible] اس کو [illegible] کرنا بھی مشکل ہے۔ کیونکر کہا جائے کہ اتنا بڑا مصنف
جو ملک کی تاریخ سے اس درجہ ناواقف تھا جسکے حالات بیان کرنے میں
اس نے بہت کچھ تفتیش و تحقیق سے کام لیا ہے۔ دراصل ایسا خیال ناواقفیت
یا کم علمی کی وجہ سے نہیں کیا گیا بلکہ اسکی بنا تعصب پر ہے۔ متعصبانہ خیالات
و تحقیق کے لباس میں ظاہر کرنا ایک فن ہے جس میں عیسائی مورخوں اور
خاصتہ انگریزوں کو دنیا کی اور قوموں سے زیادہ کمال حاصل ہے۔

بیشک جو لوگ جاہلیت عرب کے حالات سے ناواقف ہیں انکو مسٹر
گبن نے اس [illegible] کا فیصلہ بیقین [illegible] جائے گا۔ بلکہ کیا عجب اکثروں کے نزدیک
یہ امر بھی گبن کی نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کا ایک اعلیٰ نمونہ خیال کیا جاتا ہو۔
اس لیے کہ عام نظروں میں اہل عرب بالکل وحشی و جاہل تھے اور صحرائی لٹیروں سے
زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ ان میں وہ ذاتی شرافت کہاں جسکو اپنی مفتوح
شائستہ اور نامور قوموں کے سامنے پیش کر کے وہ سرخروئی حاصل کرتے۔ لہذا
کوئی تعجب نہیں بلکہ بالکل قرین قیاس۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُنھوں نے اس تدبیر
سے خاندان نبوت میں شرافت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

ے صاحبزادے جناب امام حسین کو دی ایک محمد بن ابی بکر کو اور ایک عبداللہ
عمر کو۔ اگر سچ پوچھیے تو یہ تینون قریشی نوجوان بھی شاہزادگی کی حیثیت رکھتے
گو امام حسین کو یہ حیثیت اُنکے بہت دنون بعد حاصل ہوئی۔ ان تینون
ہزادیون کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوے جن مین سے ہرایک بجاے خود
بہت بڑا عالم، بہت بڑا فقیہ اور بہت بڑا محدث اور انتہا سے زیادہ متقی و
زگ تھا۔ وہ تینون لڑکے کون ہین؟ اول قاسم بن محمد بن ابی بکر۔ دوسرے
لم بن عبداللہ بن عمر۔ تیسرے علی بن حسین بن ابی طالب الملقب بہ زین العابدین
امیہ اثنا عشریہ کے اعتقاد مین چوتھے امام ہین۔ اول دونون یعنی قاسم اور
م کو بھی وہ وقعت حاصل ہوئی ہے جو شاید اُس عہد مین کسی کو کم نصیب
ن ہوگی۔ تابعین مین ان کا نام سب سے اول لیا جاتا ہے۔
یہ وہ واقعہ جس نے مسٹر گبن کو ایسا خیال قائم کرنے کا موقع دیا ہے۔
لیے کہ سیدون کا زیادہ گروہ جناب زین العابدین ہی کی نسل مین ہے جو
پ کی طرف سے جناب سیدۃ النساء فاطمہ کے پوتے اور ماں کی طرف سے
ری تاجدار ایران یزدجرد کے نواسے تھے۔ لیکن تعجب ہے کہ مسٹر گبن کو
ونہ آیا کہ سیدون کا ایک معتدبہ حصہ جناب سبط اکبر کی اولاد مین ہے۔
چہ امامیہ کے عقائد کے مطابق امامت صرف امام حسین کی نسل مین رہی
ن بحیثیت سیادت وہ لوگ بھی امام حسن کی اولاد کو اُسی قدر قابل التعظیم
اتنا ہی شریف تسلیم کرتے ہین جس قدر کہ امام حسین کی اولاد کو۔ اور اہل
نت کے نزدیک تو ہر بات مین دونون برابر ہین۔ بلکہ اُنکے عقائد مین داخل
ہ کہ امام مہدی جناب امام حسن ہی کی نسل سے ہون گے۔ بہرحال جناب
یدہ کے دونون صاحبزادون کی اولاد مین باعتبار شرافت نسبی اسلام کے
ے بعض لکھتے ہین کہ اُن کا نام [illegible] تھا۔ بعض شہربانو بتاتے ہیں جو عوام
ن زیادہ مشہور ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی نام تو شہربانو ہی تھا مگر عرب
ن آنے کے بعد یہ نام [illegible] رکھ دیے گئے۔ ورنہ کوئی وجہ نہین ہے کہ ایران
شاہزادیون کے نام عربی ہون۔

کسی فریق کے نزدیک کوئی امتیاز نہیں۔ اول تو مسلمانوں کے عقاید میں شرافت کوئی چیز ہی نہیں۔ اسلام ایک عام اخوت میں دنیا کی تمام قوموں کو ملا دیا تھا کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس قسم کے تفرقے نوع انسان میں باقی رکھتا۔ اسلام نے شرافت کو کبھی ہندوؤں کے مذہب کی طرح آبائی ورثوں کے ساتھ وابستہ نہیں رکھا۔ اسکے نزدیک تو شرافت وہ چیز ہے جسکو ہر شخص حاصل کر سکتا ہے۔ اور اسی ضرورت سے آنحضرت نے صاف صاف فرما دیا ”ان ربکم واحد وان اباکم واحد ولا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی الاسود الا بالتقوی۔ الا ہل بلغت“۔ خوب جان لو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ نہ عرب والے کو کسی غیر ملک والے پر کچھ فضیلت ہے اور نہ سرخ چہرے والے کو سیاہ چہرے والے پر۔ اگر فضیلت ہے تو پرہیزگاری کے اعتبار سے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنا فرض تبلیغ ادا کر دیا۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دوسری قوموں کے اختلاط سے مسلمانوں میں نسبی شرافت کے خیالات پیدا ہو گئے اور علما کی سستی سے روز بروز اتنی قوت پکڑتے گئے کہ اب ہر مسلمان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے ہیں۔ آنحضرت نے اپنی عترت اور اولاد کے بارے میں (جس سے مراد جناب سیدہ کی اولاد سمجھی جاتی ہے) مسلمانوں کو بعض نصیحتیں کی ہیں۔ مگر اس عقدے کو خود آنحضرت کا یہ قول قطعی طور پر حل کر دیتا ہے کہ ”من سلک علی طریقتی فهو آلی“ جو میری راہ پر چلے وہی میری اولاد ہے۔ غرض اسلام میں لحاظ نسب شرافت نسبی کی کچھ وقعت نہیں۔ اور اس بنا پر یہ خیال کرنا کہ ان علماء نے ایران کے شاہی خون سے کوئی فخر حاصل کیا بڑی فاش غلطی ہے۔

تاہم ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمانوں میں ہمیشہ کسی نہ کسی حد تک اپنے نسب پر فخر کرنے کا خیال رہا۔ جاہلیت میں اہل عرب کو اپنے نسبوں پر جس قدر دعوے تھا شاید دنیا کی کسی قوم کو نہ ہوگا۔ [illegible] ان کے [illegible] میں داخل ہو گیا تھا۔ [illegible]

[illegible]
کملی بن تہان کے بیٹے تھے مگر اس ذلت میں بھی کسریٰ و قیصر کو اپنے آگے ذلیل
ذلیل کرتے تھے۔ خصوصاً قریش جو سارے عرب میں اپنے آپ کو افضل و اشرف
جانتے تھے۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ اسلام نے انکے ان جاہلیت کے دعووں میں
بہت کچھ کمی کر دی تھی لیکن انکی نسبت یہ کہنا کہ وہ کسریٰ کی بیٹی کو اپنے لیے
موجب عزت و شرافت سمجھے شاید کسی سمجھدار آدمی کا کام نہ ہوگا۔

خسرو پرویز نے ایک عربی شیر زید بن عدی کے کہنے سے حسب شمالی
و مغربی اضلاع عرب کے سردار نعمان بن منذر کو لکھا کہ اپنی بیٹی یا اپنے قبیلہ کی
کوئی لڑکی پیشکش کرے تو نعمان کو نہایت ناگوار ہوا۔ اور خسرو پرویز کو معلوم ہو گیا
کہ عرب والے اپنے آپ کو شاہان ایران سے بھی زیادہ شریف سمجھتے ہیں۔ نعمان
کو اس انکار کا انجام معلوم تھا۔ اس نے حکومت سے کنارہ کشی کی اور اپنے
اہل و عیال کو قبیلۂ بنی شیبان کے سردار کی حفاظت میں چھوڑ کے دربار پرویز
میں حاضر ہوا۔ پرویز نے نعمان کے مرنے کے بعد اسکے اہل و عیال کو بنی شیبان
سے طلب کیا۔ وہ بھلا کب دبنے والے تھے۔ اور جب ایرانی فوج مقابلہ کو
آموجود ہوئی تو گو جانتے تھے کہ اسکا مقابلہ کسی طرح نہیں ہو سکتا مگر مارنے
اور مر جانے پر آمادہ ہو گئے۔ مقام ذی قار میں لڑائی ہوئی۔ اور بنی شیبان نے
فی الحقیقت بڑی جوانمردی کے نمونے دکھائے۔ اس سے پہلے عربوں کو
ایرانیوں کے مقابلہ میں کبھی کم جرأت ہوتی تھی۔ یہ اسی لڑائی کا تذکرہ ہے کہ
ایک شیبانیہ لڑکی نے میدان میں آکے ایک ایسا پرجوش شعر پڑھا کہ ایک ایک
سات سو آدمیوں نے اپنی قباؤں کی آستینیں نوچ کے پھینک دیں اس لیے کہ
تلوار چلانے میں الجھتی تھیں۔ عرب نے ذی قار میں ایرانیوں کو شکست دی اور
ایرانی ایسے بھاگے کہ پھر ادھر کا رخ نہ کیا۔

کیا کسی کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ یہی عرب جو اپنی بے مائگی اور
وحشت زدگی کے عہد میں اپنی شرافت کا اتنا بڑا دعویٰ رکھتے تھے کہ قبیلے
کے قبیلے کٹ گئے اور شہنشاہ ایران کو ایک عربی نژاد لڑکی نہ دی گئی۔ وہی

عرب اب ترقی کر کے اور ساری دنیا مین فتح و نصرت کا ڈنکا بجا کے اپنے تئین اتنا ذلیل خیال کرنے لگے کہ نبوت کے خاندان کو یزدجرد کی بیٹی کے ذریعہ سے معزز بنائین۔ عرب تو بعد اسلام بھی اتنے سخت تھے کہ غیرون کو ہمیشہ اپنے آگے ذلیل خیال کرتے تھے۔ غیر تو غیر خاص قریشی نسل کے جو لوگ عرب سے باہر جا کے رہ پڑے تھے اگرچہ اُن مین کوئی خرابی نہین پیدا ہوئی تھی مگر وہ اُن سے بھی سمدھیانہ پیدا کرتے ہوے ہچکچاتے تھے۔ عبد الملک بن مروان جو بنی اُمیہ مین سب سے زیادہ زبردست خلیفہ تھا اُس نے عقیل بن علقمہ سے جو صحراے عرب مین اپنے قدیم مذاق کی سادی زندگی بسر کیا کرتا درخواست کی کہ اپنی کوئی بیٹی میرے کسی لڑکے کے عقد مین دو۔ یہ پیام دار الخلافت دمشق سے شاہی اہتمام کے ساتھ بھیجا گیا۔ عقیل نے پہلے تو انکار کر دیا۔ مگر خلیفہ کے زیادہ اصرار پر کہنے لگا اچھا جو مجبوری ہی ہے تو مین راضی ہون مگر دیکھو کسی غیر عربیہ کے لڑکے سے مجھے مصیبت مین نہ پھنسا دینا۔ یہ خیالات آخر عہد تک باقی تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ عرب جس قدر عجم سے زیادہ شریف و نجیب نظر آتے اسی طرح ہم بھی اپنے صحرا نشینون ہی مین زیادہ شریف رہ سکتے ہین۔ یزید کی ماں میسون ایک بادیہ نشین عرب کی بیٹی تھی۔ جناب معاویہ نے ہزار کوشش کی مگر اُسے خلافت کے عیش و عشرت مین کسی طرح مزہ نہ آیا۔ یزید حمل مین تھا دمشق مین اُس کے پیدا ہونے کی دعائین مانگی جا رہی تھین اور میسون نے اپنے ریگزار کی تیاریان کر دین۔ جناب معاویہ کی ایک نہ چلی۔ میسون اپنے صحرائی جھونپڑے میں چلی گئی۔ اور یزید وہین پیدا ہوا۔

ہم تو خیال کرتے ہین کہ وہ اولاد جو ان شاہزادیون سے ہوئی عرب کی سوسائٹی مین کبھی باوقعت نہ سمجھی جاتی کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اہل عرب اپنی بیٹیون کے دینے مین چاہے کتنی ہی احتیاط کرتے ہون مگر سلسلۂ نسب کو ہمیشہ باپ کی طرف سے لیا کرتے تھے۔ ماں کی شرافت کا خیال کم کیا جاتا تھا۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ جناب امام حسین اور عبد اللہ بن عمر اور محمد بن ابی بکر کی اولاد کبھی کم وقعتی کی نظر سے نہ دیکھی گئی۔ لیکن یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ عرب

لوگوں میں ان کی شرافت کا خیال بالکل تھا ہی نہیں۔ کسی حد تک ضرور تھا۔ بعض شرفا اس کا بہت کچھ خیال کرتے تھے۔ امام زین العابدین اور سالم اور قاسم جو ہمیشہ سب کے نزدیک وقعت کی نگاہوں سے دیکھے گئے اسکی یہ وجہ تھی کہ ان لوگوں نے کمالات علمی ودینی میں ایسی اعلیٰ ترقی کی تھی کہ اُن کے خاندانی نقصان پر کسی کی نظر پڑتی ہی نہ تھی۔ ماؤں کا عیب انکے زہد و اتقا کے دامن میں چھپ کے فنا ہو گیا تھا۔

ابن خلکان نے امام نحو مبرد سے ایک قریشی شخص کا واقعہ خود اُسکی زبانی نقل کیا ہے کہ اُس نے کہا "میں سعید بن مسیب کے پاس اکثر جایا کرتا تھا۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے پوچھا تمھارا ننہال کہاں ہے؟ میں نے کہا "میری ماں تو لونڈی تھی"۔ یہ جملہ میری زبان سے نکلتے ہی مجھے معلوم ہوا کہ جیسے اُنکی نظر میں میری بے وقعتی ہو گئی۔ میں بیٹھا ہی تھا کہ سالم بن عبداللہ بن عمر آ گئے۔ جب تھوڑی دیر بیٹھ کے وہ چلے گئے تو میں نے سعید سے پوچھا جناب یہ کون بزرگ ہیں؟ اُنھوں نے حیرتناک ہو کے کہا واہ وا۔ ایسے شخص کو اور تم نہ جانو! یہ تمھاری قوم قریش میں سے ہیں اور عبداللہ بن عمر بن الخطاب کے بیٹے سالم ہیں۔ میں نے پوچھا ان کی ماں کون تھیں؟ اُنھوں نے کہا لونڈی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد قاسم بن محمد بن ابی بکر آئے اور جب وہ گئے تو میں نے اُن کی نسبت بھی وہی سوال کیا۔ اُنھوں نے بھی وہی کہا کہ بھلا ایسے شخص کو اور تم نہ جانو۔ یہ بھی تمھاری قوم کے نامور شخص قاسم بن محمد ہیں۔ میں نے کہا اور ان کی ماں کون تھیں؟ کہا لونڈی تھیں۔ اتنے میں اتفاقاً علی بن حسین بن علی بن ابی طالب آ گئے۔ اور جب اُٹھ گئے تو میں نے اُن کی نسبت بھی تجاہل عارفانہ کر کے دریافت کیا اور یہ کون ہیں؟ کہا واہ۔ ان کو نہ جاننا قیامت ہے۔ یہ تو وہ ہیں کہ ممکن نہیں کوئی مسلمان ہو اور انکو نہ جانتا ہو۔ یہ علی بن حسین ہیں۔ میں نے پھر کہا اور انکی ماں کون تھیں؟ کہنے لگے وہ بھی لونڈی تھیں۔ اب میں نے اُن سے کہا اپنے آپ کو کنیزک زادہ بتا کے میں آپ کی نظر میں ذلیل ہو گیا تھا۔ لیکن اب عرض کرتا ہوں کہ اس خاندانی

تو پھر اُن کے ذریعے سے ایک آزاد شدہ غلام کیون خاندان نبوت کا رقیب بنایا گیا۔
مسٹر گبن کا یہ خیال ہم نے حضرات شیعہ مین سے بعض جُہلا مین بھی پایا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ شیعون کو بمقابلہ سُنیون کے ایران کے ساتھ خاص ہمدردی ہے۔ بیشک ہم مذہبی ایسے تعلقات پیدا کر دیتی ہے۔ اور ایسے تعلقات کو ہم نہایت ہی قابل قدر سمجھتے ہین۔ لیکن اُسی حد تک کہ دین کی توہین نہ ہونے پائے۔ ہمارے اعتقاد مین تو عربی شریعت پر ایمان لانے والون مین سے ہر شخص کو ایسے خیال سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس مین صاف صاف خاندان نبوت کی توہین ہے۔

یہ سمجھنا کہ عرب لوگ اپنی فتوحات کے وقت لونڈیون مین باعتبار عالی نسبی یا امارت یا شاہزادگی کے کوئی تفریق کرتے تھے بڑی غلطی ہے۔ عرب لوگون مین اول تو اُن دنون صرف دین کا نام شرافت تھا۔ اور اگر قدیم شرافت کا کچھ خیال تھا بھی تو صرف اپنے قبائل مین۔ اور دیگر ممالک کی عورتون مین سے تو وہ سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے۔ عام اس سے کہ وہ وزیرزادی ہون یا شاہزادی امیرزادی ہون یا فقیرزادی۔ اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ ہرقل کی بیٹی فتح دمشق کے بعد جب مسلمانون کے ہاتھ مین گرفتار ہوئی تو ایک شامی نو مسلم کے سپرد کر دی گئی جس سے وعدہ دیا گیا تھا کہ اُسکی معشوقہ اُسکو دی جائے گی۔ اور جب معلوم ہوا کہ اُس کی معشوقہ نے خود کشی کر لی تو ہرقل کی بیٹی کا ہاتھ اُسکے ہاتھ مین دے دیا گیا۔ مگر اُس شامی سے اسکی جرأت نہ ہوئی۔ اور آخر ہرقل کے حسب طلب وہ لڑکی عزت کے ساتھ انطاکیہ بھیج دی گئی جہان خود ہرقل موجود تھا۔

اگر آپ پوچھیے تو اُس خوشمندی کے زمانے مین صدہا شاہزادیان عرب مین آ گئین جہان اُن مین سے بعض دیگر قریشیون کے گھر مین تھین بعض عرب کے غلامون کے پاس تھین۔ وہان ایک امام حسین کے گھر مین بھی تھی۔ لیکن وہ جو غلامون کے پاس تھین اُن کا تو خیال بھی نہین کیا جاتا۔ مگر یہان ایک جو پیغمبر کے نواسے کے پاس تھی اُس کی بدولت خاندان نبوت معرض بنایا جاتا ہے۔ خود

گزشتہ زمانہ میں صنعت سے بڑھ گئے۔ اور بعد آنے والے ایسی کتاب لکھنے سے عاجز ہیں
اُنکے تبحر کا سب سے بڑا سرٹیفکیٹ یہ ہے کہ ناصرلدین اللہ کا بیٹا خلیفہ حکم جو علم و
فضل میں سلاطین عالم پر فوقیت لے گیا ہے جس کا کتب خانہ مشہور ہے اور جسکی
نظر سے تین لاکھ تصنیفیں گذر گئی تھیں اور جس نے اُن سب کا مطالعہ اس توجہ
سے کیا تھا کہ اُن میں سے بہت کم تھیں جن پر اُس نے اپنے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ
تحشی نہ کی ہو۔ اُس نے ابوعلی قالی سے جب پوچھا کہ باعتبار لغت سب سے
زیادہ متبحر ہمارے شہر میں تم نے کس کو پایا؟ ابو علی نے فوراً ابن قوطیہ کا
نام لیا۔

اگرچہ یہ خاندان ابوبکر کے وقت سے بہت زیادہ معزز ہو گیا۔ لیکن یہ فضیلت
تو علم سے حاصل ہوئی۔ ہم کو یہ نہیں بتایا گیا کہ ہمارے اس غلام کو یورپ نے
ایک مسیحیہ اور نسل کا تھ کی شاہزادی دے کے کون سی شرافت دیدی۔ ہمارے
مسیحی دوست اُس شرافت سے نہ بحث کریں جو وہ پارسیوں سے لے کے ہمیں
دیتے ہیں۔ وہ یہ بتائیں کہ خود اپنی فیاضی سے اُنھوں نے ہم کو کون سی
شرافت بخشی؟ ۔

انجام

یہ بہتوں کو کہتے سنا کہ "خدا انجام بخیر کرے"۔ مگر جب اُن کہنے والوں کے دلوں
کو ٹٹولیے اور اُن کے خیالات کا اندازہ کیجیے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر شخص
نے اپنے مذاق اور اپنے مسلمات کی بنا پر اس جملہ سے کچھ اور ہی معنی مراد لیے ہیں۔
وہ اُنکے ذہن میں انجام کوئی نئی ہی چیز ہے۔ افسوس دنیا کا یہی عام مغالطہ ہے
جس نے ملکوں اور قوموں میں باہم عداوتیں پیدا کر دی ہیں۔ دیکھو وہ صحرانشین
سنت اور جوگی ہیں جو ہلوے دنیا کو ترک اور تمام دنیاوی سامان عشرت پر
پاے ہوئی اور دولت کی لات مار کے اُس تنہائی کے مقام پر آکے بیٹھ رہا ہے جہاں
سوا خدا کے کسی کی حکومت نہیں۔ اپنی روزی حاصل کرتے وقت اگرچہ وہ دیکھتا
ہے کہ اُسکے شوق کی چیزیں یعنی گھانس پات ہر مقام پر بہ کثرت موجود ہیں۔ اور جہر

صفت یہ کہ کوہسار گویا اپنے دامن کی طرف بڑھا کے دے رہا ہے اور یہ دیکھیے اور تختۂ صحرا جیسے اپنی نعمتین ایک وسیع خوان مین لگا کے اُسکے سامنے پیش کر رہا ہے کہ لیجیے خدا نے یہ آپ کے پاس بھیجا ہے۔ ان مین بھی وہ کفایت شعاری کو صرف کرتا ہے۔ اور جس قدر ضرورت ہوتی ہے اُسی قدر لے لیتا ہے۔ اسی کی تقلید مین اُس رومن کیتھولک راہب نے دنیا کی تمام لذتین اپنے اوپر حرام کر لی ہین۔ دنیا کا حسن اور دولت کے سامان اپنی دلفریبیان دکھا دکھا کے اُسکے دل مین ایک طمع پیدا کرتے ہین۔ لیکن اُس نے ان سب چیزون کی طرف بظاہر اس بے پروائی سے دیکھا ہے کہ لوگون کو اس پر حسد آتا ہے۔ یہی بے پروائی اور لذائذ دنیوی کی نفرت وہ مسلمان صوفی دکھا رہا ہے جس نے گویا عالم کو چھوڑ دیا ہے اور صرف ایک قادر مطلق کے خیال مین اپنے آپ کو سب طرف سے بے حس بنا کے گوشۂ تنہائی مین بیٹھ رہا ہے۔ یہ سب لوگ ایک ہی خیال اور ایک ہی دُھن مین محو ہو رہے ہین۔ دنیا کے لوگ جو روز روز کی امیدون مین ناکامی کے صدمے اُٹھا کے عاجز آ گئے ہین۔ وہی اس بے پروائی کو ایسا اچھا سمجھتے ہین کہ اُن کے خیال مین اُن لوگون سے زیادہ کوئی حق پسند اور راہ راست پر چلنے والا نہین۔ کیا عجب کہ اپنے خیال مین وہ انھین لوگون کی حالت کو وہ حالت تصور کرتے ہون جس سے اپنے جملہ "خدا انجام بخیر کرے" مین لفظ "انجام" سے مراد لی ہے۔ اُن کا دل چاہتا ہے کہ خود اُن کا بھی یہی انجام ہو۔ اور وہ بھی دنیا کو یونہی چھوڑنے پر قادر ہو جائین۔

اگرچہ انجام کا لفظ ہر اُس مقام پر صادق آتا ہے جہان کسی بات یا کسی واقعہ کا خاتمہ ہو جائے۔ اگرچہ نہ حقیقی اعتقادات وہی ہے جسے لوگ موت کہتے ہین اور جو دنیا کے تمام تعلقات قطع کر دیا کرتی ہے۔ اس لیے اکثر لوگ جب کبھی کہتے ہین "خدا انجام بخیر کرے" اُس سے یہی مراد ہوا کرتی ہے کہ مرتے وقت انسان اچھی حالت مین ہو۔ اچھی حالت کیا چیز ہے؟ وہ لوگ جس کی نسبت کہتے ہین کہ یہ اچھی حالت مین ہے اُس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ متموّل ہے۔ اور دنیاوی خواہشین پوری کرنے مین اُسے ہر طرح کی قدرت ہوتی

ہے۔ حقیقت مین موت ایک ایسی چیز ہے کہ اس وقت سب جہان [illegible] ہے۔ دولتمندی
اور بے دولتی۔ عسرت اور عشرت۔ اطمینان اور تنگدستی سب برابر ہوتے ہین۔
اسی وجہ سے تمام دینی مقدس لوگ اس وقت کا بخیر ہونا اس سے مراد لیتے ہین
کہ انسان کی اخلاقی حالت اور روحانی خوبیان ترقی پر ہون۔ اور اس
خیال کا پر جوش معتقد ہو جو افسوس کرنے والون کے اعتقاد مین حق اور ذریعہ نجات
ہے۔ افسوس! کچھ ایسا تفرقہ پڑ گیا ہے۔ اور اختلاف مذاہب نے موت کے
اس طرف کے حالات بیان کرنے مین ایسا اختلاف کیا ہے کہ یہ جملہ نکلتا تو ہر
شخص کی زبان سے ہے لیکن غرض ہر شخص کی جدا ہوتی ہے۔ ایک مسلمان ایک
اپنے خوش اعتقاد مسلمان مرنے والے دوست کی نسبت کہتا ہے "کیا اچھا شخص
تھا! توحید کا معتقد تھا۔ اور رسالت محمدی پر ایمان رکھتا تھا"۔ ادھر دوسرا
عیسائی اپنے واصل بحق مسیحی دوست کی نسبت کہتا ہے "کیا اچھی موت ہے۔
مسیح کا خون ایسے ہی لوگون کی نجات کے لیے ہے"۔ وہ یہودی اپنے رخصت
ہونے والے دوست کی لاش کے سرہانے افسوس اور درد کے لہجے مین کہہ رہا ہے
"کیا خوش نصیب تھا۔ خاص اسرائیلی شریعت اور موسوی تعلیم پر گیا"۔ قدیم
اصول ژند کا معتقد اور خوش خیال موبدان فارس کا پیرو اپنے کسی دوست
کو دخمہ مین رکھنے کو لیے جاتا ہے اور آنسو بہا بہا کے کہہ رہا ہے "کیا خوب
آدمی تھا خدا مغفرت کرے ہمارے حق شناس وخشوردون (پیمبرون) کے
آئین کا کس استقلال سے پابند رہا"۔ یہ تو دخمہ مین غائب ہوگیا۔ اور اس
کی جگہ چند برہمن اپنے کسی دھوکا دے جانے والے عزیز آشنا کو لیے چلے آتے
ہین۔ دریا کنارے جلانے کو لیے جاتے ہین۔ اور کس حسرت سے باتین کرتے
جاتے ہین کہ "سیدھا بیکنٹھ جائے گا۔ دیوتا اور مہاتما اسے اپنی برکتون مین
لے لین گے۔ اور دوسرا جنم اسکے لیے جنت کا مزہ دیگا"۔ ان سب کی زبان
سے جتنے جملے سنے گئے۔ سب ایک شرح کی حیثیت سے تھے۔ جنکا متن یا
خلاصہ یہی تھا کہ "خدا انجام بخیر کرے"۔
گو یہ سب کو معلوم ہے۔ پھر بھی کسی کو نہین معلوم۔ کہ اصل مین انجام بخیر

[illegible] وعدہ پورا ہوا - وہ کیسا خوش نصیب شخص ہے - اور
اُسکے عشق کا انجام کیسا اچھا ہوا - اس سے بھی زیادہ توضیح کے ساتھ مختصر باتین
کیون نہ سُنیے - بیمار نے شفا پائی - وطن آوارہ کو سواد وطن نظر آئی بچھڑے
ہوے دوست خوش خوش ملے ہین - چلتے چلتے تھک جانے والے منزل پر پہونچے -
صبح سے جان پر کھیلنے والے سپاہیون کو اسوقت شام کو فتح نصیب ہوئی -
طوفان کی مصیبت اُٹھائے ہوے جہاز کو دُور سے ساحل کی صورت ایک سیاہی
مارنے والے خط کی وضع مین دکھائی دی تھی - یا اپنی تمناؤن کا صاف نقشہ
دکھا دیتے کہ اتنی کوششون کے بعد ہمین مسلمان شریف گھرانون مین ایک ہونہار
لڑکا نظر آیا - یہ سب وہ باتین تھین اور وہ معاملات تھے جنکا انجام بخیر ہوا -
لیکن یہ تمام باتین صرف "انجام بخیر ہونے" کی اصلیت ظاہر کرنے کے لیے
بیان کر دی گئین - ورنہ زمانہ تو کچھ ایسی نامرادیون سے دوچار کرتا ہے کہ
یہ سب واقعات ہماری نظر مین وہی اثر رکھتے ہین جو کسی گوری پریوش کی
تصویر اہل حبش کے دل مین پیدا کرگی - کیونکہ جو چیز شاذ و نادر ہی نظر سے گذرتی
ہو اُس کا بیان قصے اور کہانی سے زیادہ ہرگز وقعت نہین رکھتا -

ہماری عام تمناؤن کا وہی انجام ہوتا ہے جو مجنوں کے عشق لیلیٰ کی
تمناؤن اور فرہاد کی کوہکنی کا انجام ہوا تھا - صاف معلوم ہو رہا ہے بلکہ
آنکھون سے دکھائی دیتا ہے کہ اب ہمین اپنے تمام معاملات مین اسی قسم کے نتیجون
کا امیدوار رہنا چاہیے - جس نے کہا ہے خوب کہا ہے ع "صورتِ یاس بھی
بن بن کے بگڑ جاتی ہے" - آرزو بر آنا - تمناؤن مین کامیاب ہونا - اور کسی امر
کا انجام بخیر ہونا کیسا؟

ہم پچھلے واقعات اور گذشتہ تاریخ مین دیکھتے ہین کہ عموماً مصیبتون اور
نامرادیون کے حالات جو نہایت کم پائے جاتے تھے لہذا دلون مین ایک درد
کا اثر پیدا کرنے کے لیے وہ صرف داستانون اور بے اصل قصون کے ذریعہ
سے بیان کر دیے جاتے تھے - بخلاف اسکے آج وہ زمانہ ہے کہ ہمین اپنی قوم
مین تو در اصل ہر طرف نامرادی ہی نظر آتی ہے - ہان بعض اوقات دل کی

تسلی کے لیے ہم کامیابی کی داستانیں بیان کرکے جی خوش کر لیا کرتے ہیں - ونہ
اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ ہمیں اپنی کوشش میں اچھے انجام کا امیدوار بھی
نہ ہونا چاہیے - اگر ہم کو جستجو ہے اور ہم تلاش کرتے ہیں کہ ہمیں ایسے معاملات
اور ایسے مواقع ملیں جن میں انجام اچھا یا خاتمہ بخیر ہوا ہو - تو ہمیں اپنے
شہر کے قدیم داستان گویوں کی طرف توجہ کرنا چاہیے - آپ نے اکثر دن سنے نہ
سنا ہو گا کہ ہمارے داستان گو مضمون نے اپنے اور اپنی قوم کے دُکھے ہوے
دلوں کے خوش کرنے کے لیے ٹریجڈی کا پارٹ چھوڑ دیا ہے اور رات دن
کمیڈی ہی بیان کرتے رہتے ہیں اُن کے بیان میں ہمیں کیسی کیسی اعلیٰ درجے
کی کامیابیاں اور کیسی کیسی دلفریب آرزومندیاں نظر آتی ہیں - ہمارے داستان گو
جس وقت کوئی واقعہ بیان کرنے کو بیٹھ جاتے ہیں اُس وقت اُنکی زبان جن
واقعات کا سماں دکھاتی ہے اور جن حالتوں کی تصویریں آنکھوں کے سامنے
کھینچتی ہے اُن کو اگر کوئی تعلق تھا تو صرف اُس زمانے سے جسے یورپ
عہد وسطیٰ کہتا ہے - اور جس میں ہمارے سوا کوئی کامیاب و بامراد تھا ہی نہیں -
اور جو کوئی نظر اٹھا کے دیکھتا تھا اُسے دنیا بھر میں ہم ہی ہم نظر آتے تھے -
مگر افسوس ہماری تاریخی داستان اب داستان گویوں کی گپ ہو گئی - قاعدے کی
بات ہے کہ جو امر ذہن کو مستبعد معلوم ہوتا ہے اُس کو انسان کا دل بڑی مشکل
سے قبول کرتا ہے - چونکہ اب ہم دنیا بھر سے زیادہ پست ہمت و ... دنیے
پر معلوم ہوتے ہیں - لہذا ہمارے حالات بالکل ویسی ہی داستان یا افسانی خیال
کر لیے گئے ہیں جس کی صحت پر سننے والے درکنار خود بیان کرنے والے کو بھی
وثوق نہیں ہوتا - خیر یہ گذری ہوئی باتیں یاد آ کے ہمیں اپنے موضوع بحث
سے ہٹا لیجایا کرتی ہیں - ورنہ ہماری غرض اس مقام پر صرف اتنی تھی کہ وہ دن
گذر گئے جب ہمیں کسی معاملہ کا انجام بخیر نظر آتا تھا - اب تو یہ حال ہے کہ دنیا تو دنیا
ہمیں تو اس کی بھی امید نہیں کہ عقبیٰ میں خاتمہ بخیر ہو -

ہم اور ہمارے خیالات

اس لیے غور طلب ہیں کہ اب ان مین تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔ یون تو ہر عربی کتب کے
لڑکے کو یہ قضیہ پڑھایا جاتا ہے کہ "العالم متغیر" مگر تغیر عالم پر غور کرنے کی ہم کو جس قدر
ضرورت ہے اس قدر کسی کو نہین۔ کامیاب قومون اور مقصدور لوگون کو نہین
سوجھتا کہ ہماری وہ زندگی کیسی تھی جب ہم ان کامیابیون کی آرزو مین تھے۔ مگر
ہان تغیر عالم کا مسئلہ کچھ اسی کی سمجھ مین خوب آتا ہے جسے نامرادیوں سے
سابقہ پڑا ہو۔

ہجر مین یاد آتا ہے کہ وصل مین کیا مزے تھے۔ اور کس خوشی مین گذرتی تھی۔
سفر او غربت مین معلوم ہوتا ہے کہ یاران وطن کی خوش گپیان اور محبین کے دوستون
کی صحبتین کیسی بامذاق اور سراپا لطف تھین۔ اس سے بھی زیادہ وضاحت
کی ضرورت ہو تو یون سمجھیے کہ جب پیاس لگتی ہے تو پانی کی قدر ہوتی ہے اور جب
بھوک کی شدت سے ہاتھ پاؤن مضمحل ہونے لگتے ہین تب کھانے کا مزہ یاد آتا
ہے۔ جب چلتے چلتے تھک جائیے۔ تب ذرا ٹھہر کے دیکھیے کہ ستانے مین کیا
آرام ہے۔ جب مفلسی اور تنگدستی پریشان کرے اُس وقت گذشتہ دولتمندی
کی طرف خیال دوڑائیے تو معلوم ہو جائے گا کہ گذشتہ دولت کتنا خوشگوار ہوتا ہے۔

خیر عام انقلابات زمانہ سے کیا غرض۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ ہمارے خیالات
مین کیا تغیر ہوا؟ ہم کس مزاج اور طبیعت کے لوگ تھے اور کیا ہو گئے؟ لوگ
کہتے ہین کہ ہندوستان کی آب و ہوا ہمارے مناسب نہ تھی۔ اس لیے ہمارے
خیالات پر بہت خراب اور نالائق اثر پڑ گیا۔ اگر ایسا ہے تو دیگر ممالک کے
اہل اسلام اپنے خیالات کے لحاظ سے کیون بہت ادنیٰ درجے پر معلوم ہوتے ہین۔
ان پر کیا تباہی آئی؟ وہ کیون پست حوصلہ اور بے ہمت ہو گئے؟ کیا دنیا
[illegible] کا بوڑھا ہے جس نے ہمین ہر رنگ و وضع مین دیکھا ہو؟
[illegible] ہے۔ زمانہ [illegible] کی عمر بہت زیادہ ہے۔ یہ بہت پرانا
[illegible] زبانی ہم نے بہت سی اگلی داستانین سنی ہین۔ وہ دوسری

بڑھیا جسکی گود مین سب نے پرورش پائی ہے جسے لوگ زمانہ یا دنیا کہتے ہین - انقلاباتِ عالم کے سب نمونے یقیناً اُسکو بھی یاد ہون گے - لیکن نہین معلوم کیا سبب ہے کہ ہم نے اکثر لوگون کو ان دونو کے ہاتھ سے نالان اور نہین - گالیان ہی دیتے سُنا - دیکھو وہ مصیبت کا مارا اور ستم زدہ اپنی تمام کوششون مین تھک کے پیر فلک یعنی زمانہ اور زالِ دنیا دونون کو کوس رہا ہے - خیر اگر وہ گالیان دیتا ہے تو دینے دو - ہم تو ان گالیون کا مستحق خود اُسی شخص کو پاتے ہین -

اگر اپنی داستان ہم کو سننا ہے اور اپنے تغیرات اور اپنی تبدیلیون پر غور کرنا ہے تو آؤ اُسی بوڑھے جہان دیدہ سے پوچھین کہ اُس نے ہمین کن کن حالتون مین پایا - اور ہم مین کیسی کیسی تبدیلیان دیکھین؟ تواریخ کے صفحات پر جو کچھ لکھا ہے وہ زمانے ہی کی بیان کی ہوئی کہانی ہے - اگرچہ ان کہانیون کا زیادہ حصہ ناقدردانیون اور بے توجہیون کے ہاتھون دنیا کے پردے سے غائب ہو گیا - مگر پھر بھی جو کچھ باقی ہے وہ دلچسپی سے خالی نہین -

اُن باتون کو جانے دیجیے جو ہماری جہالت اور بُت پرستیون کی باتین تھین - کیونکہ وہ اسلام سے بھی پیشتر کا زمانہ ہے - ہان بعد بعثت کے زمانے کو لیجیے - آہ یا تو وہ سادگی کا زمانہ تھا کہ ایک نبی اُمی کی تبلیغ رسالت سے ہم سب مل کے ایک ہی سادی طبیعت کے لوگ تھے - فلسفیانہ چون و چرا کا مادہ ہم مین نہین پیدا ہوا تھا - سب ایک ہی دُھن مین مدہوش اور ایک ہی خیال سے وابستہ تھے - ترقی اور عروج کی منزلین ہماری نگاہ کے سامنے تھین - اور اُن سادے خیالات کو لیے ہوئے ہم ہر طرف بڑھے - اور اس جوش و خروش سے بڑھے کہ کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی - اگرچہ ہم بدو اور بے علمی کی سرزمین سے چلے تھے مگر اک مہذب ہو تو دنیا کو سب تہذیب سکھانے آئے فاتحانہ کیے گئے کہ اُن حکمائے فلسفیون کو بھی حیرت ہو گئی - اُن دنون جو خیالات ہمارے دلون مین تھے وہ ہمارے سچے خیالات تھے - اُن کا منشا صرف یہ تھا کہ ہم تمام دنیا مین تبلیغ رسالت محمدی کر دین - مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک جو کوئی ہو اُسی توحید کو قائل ہو جائے جو ہمارے

پیغمبر حق کی ہدایت تھی۔ اور جس کو اب بڑی فلسفیانہ نکتہ سنجیوں کے بعد یورپ
تسلیم کرتا جاتا ہے۔ ہمارے خیال مین ہماری (یعنی تمام آدمیون کی) مخلوقیت
کی فطرت زبان حال سے اسی مسئلۂ توحید کی تبلیغ کر رہی ہے۔ اور ہر انسان
کا فرض ہے کہ عملی اور اعتقادی دونون حیثیتون سے اس مسئلہ کا پابند ہو۔ اُس
ابتدائی جوش توحید مین ہم نے یہان تک ترقی کی کہ ہمارے حرکات و سکنات۔
ہمارے رسوم و عادات ہمارے غم اور ہماری خوشیان سب مسئلۂ توحید کا آئینہ
ہو گئین۔ ان کوششون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے خدا کی جتنی بڑی خدمت
کی وہ ہمارا ہی حصہ تھا۔ ایسی خدمت کہ ہمارے مقابلہ مین کوئی اور خدا کی
خدمت کا دعوے کرے یہ تو درکنار۔ کوئی توحید کا نام بھی نہین لے سکتا۔ جب
ہم نے خدا کے کام مین ایسی سرگرمی اور ایسی جانفشانی دکھائی تو خدا نے بھی
اپنی برکتون اور اپنی رحمتون کو ہم پر عام کر دیا۔ مگر یہ دیکھنے کے قابل بات ہے
کہ اس سادگی کے زمانہ مین ہم کیسے تھے؟ اور ہمارے خیالات کیا تھے؟ ہم تو
ایسے تھے کہ ہماری خوشیان بالکل محدود تھین اور ہماری زندگی کے لیے بہت کم
چیزون کی ضرورت تھی۔ جَو اور خرما ہماری غذا تھی۔ بھیڑون اور اونٹون کے
گلے ہمارا سرمایہ تھا۔ ریگستان ہمارا بچھونا تھا۔ آسمان ہماری چھت تھی۔ کشادہ
اور کھلے ہوے صحرا ہمارے صحن تھے۔ اور آسمان کے چمکتے ہوے تارے ہمارے
گھرون کے چراغ تھے۔ رہا یہ کہ ہمارے خیالات کیا تھے؟ اُن کا حال سُنیے
ہم اپنے نور ہدایت کی روشنیون کو اس قدر تیز پاتے تھے کہ نہ ہماری نظر مین یونان
و روم کی وقعت تھی اور نہ ہم اسکندریہ اور مدائن کے علوم کی کچھ ہستی سمجھتے تھے
ہادی برحق کے احکام کو سننا اور اُن کے سر جھکا دینا ہمارا کام تھا۔ اپنے نبی کے
وعدون کی طرف یقین اور اعتقاد سے سبقت کرکے دوڑنا ہمارا
فرض تھا۔ تمام دنیا اپنی بے فکریون کے آگے ہیچ معلوم ہونے لگی۔ ہماری اس لاپروائی
نے یہان تک ترقی کی کہ آخر زمانہ اپنی دولت۔ اپنے خزانے۔ اپنے بیش بہا
ہدیے ہمارے سامنے لا لا کے پیش کرنے لگا۔ اور ہم اپنے بے مثل استغنا سے
ان چیزون کو آنکھ اُٹھا کے نہ دیکھتے تھے۔

علامہ واقدی لکھتے ہین کہ جس وقت جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
بیت المقدس پہونچے تو اس وضع مین تھے کہ اونٹ پر سوار تھے۔ جس کو
ساربانی کی خدمت تھی ایک منزل اونٹ کو وہ لیجاتا تھا آپ سوار ہوتے تھے۔
اور ایک منزل آپ اونٹ کو لے جاتے تھے وہ سوار ہوتا تھا۔ کپڑے اور ردا مین
بہت سے پیوند تھے۔ زاد راہ یہ تھا کہ ایک زنبیل مین ستو اور ایک مین خرمے
بھرے ہوے تھے۔ ظروف مین صرف ایک کٹھرا تھا۔ جو اس کام آتا تھا کہ
منزل پر پہونچ کے آپ اُترتے تھے۔ زمین پر بیٹھ کے اُس کٹھرے مین ستو گھولتے
تھے۔ اور تمام ہمراہیون کی طرف خطاب کرکے ارشاد فرماتے تھے۔ کلوا بحکم اللہ۔
یہ اُس شاہنشاہ کی وضع تھی جس نے مصر و عجم شام و روم کو فتح کیا تھا۔ الغرض
جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی دیوارون کے نیچے پہونچ گئے
تو وہان کے بڑے راہب نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ اور صاف کہہ دیا
کہ ایسے اہل تقویٰ اور بے نفس لوگون کی روکنے والی کوئی قوت نہین۔ مگر
اہل بیت المقدس نے اس پر بھی اکتفا نہ کیا۔ بلکہ مسلمانون کی بے نفسی کا ایک تازہ
امتحان لینا چاہا۔ مسلمانون نے شہر مین داخل ہونے کی جو تاریخ معین کی تھی
اُس تاریخ تڑکے ہی سے اہل روم اور اہل شام نے راستے مین دونون طرف
کے مکانات آراستہ کیے۔ تمام مال و دولت اور جواہرات لا کے زمین بچھا دیے۔
حسین و نازنین لڑکیان جو اپنے حسن و جمال سے حوران جنت کا خیال بھی
بھلائے دیتی تھین۔ خوب بنا اُڑھا کے اور زیور سے آراستہ کرکے دونون طرف
دکانون مین بٹھا دین۔ اس مین یہ امتحان مقصود تھا کہ مسلمان جو اب امان
دے چکے ہین اور حق اطاعت جان و مال کا وعدہ کر چکے ہین۔ دیکھین یہ دولت
اور یہ صورتین دیکھ کے اُن کی نیت قائم رہتی ہے یا بدل جاتی ہے؟ جس وقت
مسلمان شہر مین داخل ہوے سب کے آگے آگے جناب عمرؓ تھے۔ حضرت عمر
نے شہر کی یہ رونق اور یہ سامان دیکھ کے زور سے تکبیر کہی۔ اور فرمایا یہ لوگ ہمین
دھوکا دیتے ہین۔ اور جانتے ہین کہ اُن کا دنیوی سامان اور یہ حسین لڑکیان
دیکھ کے ہماری نیتین بدل جائین گی۔ حالانکہ ہم مین سے ہر ایک شخص کی نظر مین

ان دنیاوی سامانوں سے زیادہ ذلیل کوئی چیز نہیں ہے"۔ بس اسکے بعد پھر کسی مسلمان نے اُدھر نگاہ اُٹھا کے بھی نہ دیکھا۔ نہ جناب فاروق نے اور نہ کسی اور شخص نے۔ ہمارے اُس زمانے کے خیالات کا اندازہ بس اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ دنیا کی دولت ہماری لونڈی تھی اور ہم اُس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتے تھے۔

مگر پہلا تغیر اسی وقت سے شروع ہوا جب خدا نے اپنی نعمتیں ہمارے لیے عام کر دیں۔ دفعتہً ہم ایسے بدلے کہ یا تو ہم سے زیادہ جفاکش کوئی نہ تھا۔ اور ہر مصیبت اور ہر محنت کو بڑے صبر و استقلال سے ہم جھیل جاتے تھے۔ یا ایک ایسا زمانہ آیا کہ وہ عالیشان محل وہ رفیع عمارتیں ہمارے عشرتکدے تھیں جن کا ذکر آج ہماری اور غیر قوموں کی تواریخ میں کہانی اور افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ یورپ کا قصر حمرا اور بغداد کا قصر زبیدہ اور ہندوستان کے دیوان خاص و دیوان عام کے ایسے محل ہمارے عشرت کدے بنے۔ جامع دمشق اور دہلی کی جامع مسجد ہماری عبادت گاہوں کا نمونہ تھیں۔ زندگی تو زندگی مرنے کے بعد بھی ہمیں دائمی خواب مرگ کے لیے ایسی پرتکلف خوابگاہیں ملیں جن پر زمانہ حیرت کر رہا ہے۔ تاج بی بی کا روضہ ہمارے مقبروں کی ایک مثال ہے۔ اس عشرت کے ابتدائی دور میں تو ہم اچھے رہے۔ اور ہم نے بھی وہی کیا جو ایک لائق صاحب ثروت کے شایان ہے۔ علوم کی طرف توجہ کی تو اُنکا رتبہ آسمان کو پہونچا دیا۔ قدردانی کرتے کرتے خود ایسی مہارت بہم پہونچائی کہ دنیا نے ہماری عام شاگردی قبول کر لی اور ہم کو اُستاد مطلق تصور کر لیا۔ فنون اور صنعتوں کی طرف متوجہ ہوئے تو گویا ذہانت اور ایجاد صرف ہمارا ہی حصہ تھا۔ ہماری اُس زمانے کی دولتمندی کے افسانے کون ہے جسے یاد نہیں؟ ہمارے ہی قصوں میں وہ مزہ تھا کہ ایشیا کی تمام آبادی کو فقط ہماری ہی کہانیاں مزہ دیتی تھیں۔ اور ایشیائی تھیٹر ہمارے گذشتہ حالات کی تصویریں دکھایا کرتے ہیں۔ زمانہ اور دنیا دونوں ان واقعات کا تذکرہ ہی نہیں سنا رہے ہیں۔ بلکہ ہماری اُس اقبالمندی کی مٹی مٹی یادگاریں بھی پیش کر رہے ہیں۔

قدرتی سبزہ زارون یا سرسبز پہاڑون سے دنیا کو جو کچھ خوبصورتی نصیب ہوئی ہو اُسکا ذکر نہین۔ مگر فی الحقیقت اصل خلقت مین دنیا برہنہ تھی۔ ہم سے پہلے ترقی یافتہ قومون نے اُسے لباس پہنایا تھا۔ مگر ہم نے ایک عمدہ فیشن کی طرح اُسکے لباس مین نہایت موزون ترمیم کی۔ صرف اتنا ہی نہین کیا۔ بلکہ لباس دنیا کی زیبا اور شایستہ قطع وبرید کے علاوہ ہم نے دنیا کو اپنی چمکتی ہوئی عمارتون۔ سُنہرے گنبدون۔ ضوء شمس پر چشمک زنی کرنے والے کلسون کا خوشنما زیور پہنا دیا۔ ہم سے پہلے دنیا ہرگز اتنی حسین نہ تھی جیسی اب ہے۔ مگر دیکھو کتنا بڑا تغیر ہوا! یا ہمین وہ تھے جنھون نے دنیا کو کبھی شوق اور دلچسپی کی نظر سے نہ دیکھا۔ یا ہمین وہ تھے جو دنیا پر ایسے عاشق ہوے کہ اپنی عمر کا سارا سرمایہ دنیا ہی کی نازبرداریون اور اُسی کی فرمایشون پر صرف کر دیا۔

یہ عشرت پسندی جب حد سے گذر چلی تو پھر زمانہ کی تغیر پسند طبیعت نے دوسرا پہلو بدلا۔ ترقی کی ابتدا اور انتہا جب دونون اپنا اثر ہماری صورتون اور ہمارے حرکات وسکنات سے دکھا چکین تو سوا ادبار اور بدقسمتیون کے کون بات باقی رہ گئی تھی۔ اور ہم کیونکر اُس خمار کے صدمون سے بچ سکتے تھے جو ہر ترقی یافتہ قوم کے لیے لازمی ہین۔ افسوس! گویا دنیا ہی بدل گئی۔ اور ہم وہ تھے ہی نہین جنھون نے چاردانگ عالم مین کامیابی کا پھریرا اُڑایا تھا۔ جس طرح ہندوستان مصر کی اُستادی کرکے خود بالکل جاہل نظر آیا تھا۔ جس طرح ایران کی سطوت وجودت کو یونانی سیلاب نے محض ایک خیال یا نقش برآب ثابت کر دیا تھا۔ جس طرح مصر والے یونان کی تعلیم وتربیت کے لیے اُبھرکے اور شہرت حاصل کرکے ناموری کی تہ نشین سے غائب ہوگئے تھے۔ جس طرح روما کے اولوالعزم تمام مغربی دنیا مین شایستگی اور لیاقت پھیلا کے راحت طلبی اور عیش پسندی کے ہاتھون مورد سہام ہوگئے تھے۔ اور جس طرح ہر نامور اور مشہور قوم دنیا مین خوب چمک کے گمنامی کے دھندلکے مین آگئی تھی اُسی طرح ہم بھی جب خوب اچھی طرح کامیابی کا مزا اُٹھا چکے۔ جب ناموری کی دُنیا مین سب کو شکست دے چکے۔ جب علمی اور اخلاقی حیثیت

سے شہرۂ آفاق ہو چکے۔ اُس وقت نیکنامی کی شہ نشین سے ایسے نکلے کہ پھر اُبھرنے یا ترقی کرنے کی کوئی صورت نہ نظر آئی

اُس وقت ہمارے خیالات بھی کچھ ایسی پستی اور زوال کی طرف مائل ہو گئے کہ ترقی کی کوششیں کیسی، کبھی خیال میں بھی نہیں آتا تھا کہ ہم کچھ کر سکیں گے گذشتہ عشرتوں نے ہم کو انتہا سے زیادہ راحت طلب بنا دیا تھا۔ اور موجودہ افلاس نے وہ سب سامان راحت ہم سے چھین لیا تھا۔ ایک ایسے عالم میں گذر رہا جس میں دلچسپیاں ہر طرف بلاتی تھیں۔ شوق بار بار ہم سے قریب جانے کا تقاضا کرتا تھا۔ دل بیٹھا جاتا تھا۔ اور طبیعت کہتی تھی کہ بے سواری کے کون جائے۔ اور کیونکر جائیں۔ غرض دل میں جتنی باتیں تھیں سب اسی قسم کی تھیں۔ رہنے سہنے۔ اُٹھنے بیٹھنے۔ غرض کل معاملات میں اسی قسم کی دقتیں نظر آئیں۔ اگرچہ یہ پست ہمتی اُن دنوں بھی تھی جب ہم عیش دنیوی کے لطف اُٹھا رہے تھے۔ مگر اُن دنوں اسکا ضرر چنداں محسوس نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ ہمارے اشارے پر ارکان دولت ہر کام کا سامان کر دیا کرتے تھے۔ مجال نہ تھی کہ ہماری زبان سے کوئی کلمہ نکلے اور کوئی ٹال جائے لیکن اب معلوم ہوا کہ اپنا ذاتی محتاج ہونا ایسا مضر تھا۔ اب ہم گویا خدام کے منتظر بیٹھے ہیں۔ اور فارغ البال ہیں کہ وہ لوگ آ کے دم بھر میں ہمارے احکام کو انجام دے دیں گے۔ اور زمانہ کھڑا ہنس رہا تھا کہ یہ کس خیال میں ہیں۔ لوگ ہماری اس ذلت کی باشکستگی اور طفلانہ رعونت کو جنون سے تعبیر کرنے لگے۔

موجودہ زندگی جو اب ہم گذار رہے ہیں وہ یہی زندگی ہے۔ افسوس جن کو خیال بھی نہ گذرا ہوگا کہ یہ ہمارا ہی حال ہے۔ اسی جنون اسی پست ہمتی اور اسی بے فکری میں تو ابھی مبتلا ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ گذرنے والا ہے اور ہماری عمر کی نسبت بھی یقین ہے کہ ابھی بہت باقی ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ ابھی بد اخلاقی دنیا میں شاید ہم کبھی سنبھل سکیں۔ اصل تو یوں ہے کہ ہمیں کوئی امید نہیں باقی۔ اگر کبھی کسی قسم کی اُمید بندھی ہے تو دو ہی چار روز میں

نہایت بُری طرح سے مایوس کر کے دل سے نیست ہو گئی ہے۔ اب کون ہے
سوا اُس پاک خدا کے جسکے آگے ہم اپنی التجا لے جائین؟ اے پاک پروردگار
تو ہماری سُن لے۔ بس اب تیرا ہی آسرا ہے۔

ہمارے مذہبی جھگڑے

افسوس جب سے شروع ہوے۔ اُس وقت سے طول ہی کھینچے گئے
بلکہ روز بروز ترقی کرتے جاتے ہین۔ اسلام کے فرقون مین جو باہمی مناقشے
ہین اُن کا ذکر تو اب صرف قصہ یا کہانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر ہان شیعون
اور سنیون کی عداوت نے ایسا استقلال پکڑ لیا ہے کہ اس سے پیچھا چھٹنے کی امید
نہین اس سے زیادہ صلاحیت کا کون زمانہ آئے گا؟ اس کا بھی تو امتحان
ہو گیا کہ دشمنان اسلام سڑکون پر کھڑے ہو کر علی الاعلان نبی ہاشمی اور پیغمبر عرب
کی توہین کرتے ہین۔ مگر ہمارے پابندان دین اُن کی طرف کبھی نہین متوجہ ہوتے
اور باہمی نزاعون ہی مین پڑے ہوئے ہین۔

یہ مخالفت صرف ایک پولٹیکل کارروائی سے شروع ہوئی۔ بعد جناب
رسالت مآب صلعم کے جن لوگون نے عنان خلافت ہاتھ مین لی اُن کی نسبت
حضرات امامیہ کا خیال ہے کہ غاصب اور ناجائز فرمان روا تھے۔ کیونکہ اُن کے
نزدیک داماد رسولؐ اور زوج بتول حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ
ہونا چاہیے تھا۔ ہم اس بحث مین پڑنا نہین پسند کرتے کہ کون حق پر ہے
اور کس کا دعوے باطل ہے۔ مگر اتنا دریافت کرنے مین ہمین دونون [illegible]
رکھیں کہ کیا جناب صدیق اور جناب علی مرتضیٰ کی وقعت [illegible] ہوئی ہے
کہ حضرت رسول صلعم پر جو سخت اور شرمناک حملے کیے جاتے ہین ہم کو بھی [illegible]
نہین؟ حضرات امامیہ سے اتنا پوچھنے کی بھی مین اجازت چاہتا ہون کہ وہ
[illegible] حضرت صدیق خلیفہ
ہو گئے۔ اب تیرہ سو برس کے بعد آپ [illegible] جناب [illegible] حقوق مغصوبہ
واپس کر سکتے ہین؟ مگر آپ وہ مغصوبہ حقوق [illegible] ہون۔ تو ہم [illegible]

اجازت دیتے ہیں کہ شوق سے چھین لیجیے - اُن حقوق کے واپس لینے کے متعلق
جو کچھ کارروائی آپ کریں گے اُس میں آپ کی مزاحمت نہ کی جائے گی -
اور اسی طرح ہمیں سُنیوں سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ اس قدر بگڑتے کیوں
ہیں ؟ جو چیز جناب صدیق اور حضرت فاروق کو ملی تھی - اُنھیں کے پاس
رہی - اور تمام مورخین کے نزدیک بھی اُنھیں کے پاس رہے گی - آج شیعہ
چاہے لاکھ زور دیں مگر خلافت آپ سے نہ چھین سکے شیعہ اور سنی دونوں
عبرت کی آنکھ کھول کے دیکھیں کہ جس چیز کے لیے وہ مدتوں سے جوش و خروش
کے ساتھ لڑتے آتے ہیں وہ اسلام ہی سے چھن گئی - خلافت آج نہ سُنیوں
کے ہاتھ میں ہے اور نہ شیعوں کے ہاتھ میں - کاش اب اسی کی کوشش کیجاتی
کہ روس جو ممالک شام و عراق سے قریب ہوتا جاتا ہے - اُسکو زک دینے میں
شیعہ و سنی دونوں جان لڑا دیتے - اور کسی صحیح النسب یادگار نسل بنو فاطمہ
کو خلیفہ بناتے - اسلام کو بھی تقویت ہوتی اور جھگڑا بھی چُک جاتا جو صدہا
سال سے چلا آتا ہے - اور شیعوں کی بھی آرزو پوری ہوتی کہ حق بحقدار رسید
یعنی خلافت بنو فاطمہ کو پہونچ گئی - اور سُنی بھی خوش ہوتے کہ ایک باجبروت و
عظمت اسلامی قوت دنیا میں قائم ہوئی - مگر نہیں ہمارے شیعوں اور سُنیوں
کی لڑائیاں کچھ حاصل کرنے یا فائدہ اُٹھانے کے لیے نہیں ہیں - بلکہ اور اُلٹے
اپنے پاس سے کھو دینے اور دین کو نقصان پہونچانے کے لیے ہیں -

[illegible] کے پرچوں میں ہم نے زوال اور تباہی بغداد کا حال لکھا تھا
اس سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ بغداد کا ایسا باوقعت اور مشہور شہر صرف
سُنیوں و شیعوں کے ہاتھوں غارت ہوا - کوئی ذی فہم اور لائق شخص کتب
تواریخ کی جانب توجہ کرے اور دیکھے تو اُس کی سمجھ میں آئے کہ سُنیوں اور
شیعوں کے جھگڑے نے اسلام کو کیسا ضعیف بلکہ غیروں کی نظروں میں ذلیل
کر دیا - آہ ! ان جھگڑوں نے بغداد ہی نہیں بہت سے شہر تباہ کیے - جاننے
والے جانتے ہونگے کہ اگلے دنوں نیشاپور نہایت ترقی یافتہ شہر تھا - محدثین
و طبقات علما کی طرف توجہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نیشاپور باعتبار علوم

کے ایسا شہر تھا جسکے مقابل بغداد اور قسطنطنیہ کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ آج وہان
سیکڑون کھنڈر پڑے ہوے ہین۔ اُن پر کھڑا ہو کے رونے والا نہ جانتا ہوگا کہ
وہ کن عمارتون کے کھنڈر ہین۔ مگر ہم اُسے بتاتے ہین کہ آیا یہ نہ شاہی محل
تھے۔ نہ وزرا و امرا کے دولتکدے تھے۔ یہ مدارس اور دار العلوم کے بچے کچے
آثار ہین۔ ان مین ایک وقت علما اور فقہا بیٹھے درس دیا کرتے تھے۔ اور
دنیا کے ہر گوشے سے طالبان علوم آ آکے اُنکے سامنے مودب بیٹھتے تھے اور
حلقۂ درس مین شریک ہوا کرتے تھے۔

ہمارے اہل لکھنؤ کو اسی قدر معلوم ہوگا کہ نیشاپور اودھ کے خاندان شاہی
اور دیگر عمائد شہر کے بزرگون کا وطن تھا۔ اور اُنھون نے یہان کے معززین کا نسب
نامہ دریافت کرنے کے جواب مین سنا ہوگا کہ یہ لوگ نیشاپوری ہین۔ مگر اسکو نہین
جانتے کہ نیشاپور تھا کیا شہر۔ اور قدیم تاریخون مین وہ کس وقعت کے ساتھ
یاد کیا گیا ہے۔

نیشاپور کی آبادی اور رونق اور اُسکی علمی ترقیون کا حال دریافت کرنے
کے لیے جس قدر کتب تاریخ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اُسکا عشر عشیر حصہ
بھی اسوقت ہم سے ممکن نہین۔ مگر ہان ہم بعض خاص واقعات بیان کرتے ہین جن سے
ہمین اس مسئلہ مین مدد ملیگی۔ جس پر ہم بحث کر رہے ہین۔

۴۸۸ھ مین پہلا فتنہ یہ ہوا کہ کرامیہ اور اہل سنت مین ایک بہت بڑا جھگڑا
شروع ہوا۔ جس مین کرامیہ فریق کے لوگ ایک طرف تھے۔ اور حنفیہ و شافعیہ دوسری
طرف۔ شافعیہ کے مقتدا ابوالقاسم بن امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی تھے۔ اور
حنفیہ کے سرگروہ خاص محمد بن احمد بن صاعد تھے۔ یہ دونون اتفاق کے ساتھ
کرامیہ کی مخالفت پر آمادہ ہوے۔ آخر انھین لوگون کو کامیابی ہوئی۔ نیشاپور
مین کرامیہ لوگون کا زور تھا۔ اُن کے بہت سے مدرسے اور دار العلوم اور
کتب خانے موجود تھے۔ جب حنفیہ او شافعیہ غالب آگئے تو [illegible]
تعصب بھڑک اُٹھی۔ اور کوئی بات نہ تھی جو اُٹھا رکھی ہو۔ کرامیہ لوگون کے تمام
مدارس۔ کتب خانے۔ مکانات سب منہدم کر دیے گئے۔ اور [illegible]

ہو - شہر نیشاپور کا بہت بڑا حصہ تباہ و برباد کر دیا گیا - خیر کرامیہ پر اگر ظلم کیا تو ظاہر میں اُس کا کوئی اثر نہ ہوا - کیونکہ اس کے بعد پھر فرقۂ کرامیہ کو دنیا میں کبھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملا کہ اپنی مظلومیوں کا انتقام لیتے -

مگر شیعہ اور سُنی یہ دونون فرقے موجود تھے ان کی عداوتون کی وجہ سے اگرچہ اسکے بعد نیشاپور پر اکثر تباہی آ گئی - مگر ۳۵۵ھ میں ایک بہت بڑا بلوہ ہو گیا اُن دنون سلطان محمود غزنوی فرمانروائے خراسان تھا - اور اُس سے اور بلخ والون سے برابر لڑائیان ہو رہی تھین - فقیہ مؤید بن حسین الموفقی مفتی شافعیہ تھے - اور علویین (جنھین شیعہ ہی سمجھنا چاہیے) کے سرگروہ زید بن حسن الحسینی تھے - اتفاقاً ایک شافعی شخص کے مار ڈالے جانے پر اتنا بڑا بلوہ ہوا کہ نیشاپور پر حسرت برس گئی - پہلے دونون گروہون میں لڑائی ہوئی - اور لڑائی کے انجام میں جب شافعیہ کو زک ملی تو علویین کی بن آئی - انھون نے تمام شہر پر تلوار بلند کر دی - بازارون میں آگ لگا دی گئی - اور بڑی بڑی عمارتون سے شعلے بلند ہونے لگے - فقیہ مؤید نے اس شکست کے بعد اہل طوس اور دیگر قرب و جوار کے مقامات کے لوگون کو فراہم کر کے ایک فوج مرتب کی - اور دوسرا مقابلہ ہوا - اس لڑائی میں علویین کا مقدمۃ الجیش شافعیہ کے ہاتھ سے مارا گیا - جسپر علویین کو ایسا طیش آیا کہ انھون نے شافعیہ کو پھر منتشر کر دیا - اور نیشاپور پر دوبارہ تلوارین بلند ہونے لگین - تمام بازار - مساجد - اور مدرسے - سب میں آگ لگا دی گئی اور ہزارہا شافعی مار ڈالے گئے - فقیہ مؤید نے طوس میں بھاگ کے اپنی جان تو بچا لی مگر نیشاپور میں گویا شافعیہ کے مدرسے اور اُن کی تعلیم کا سلسلہ موقوف ہو گیا مگر نہین - ہمین شافعیون کے نکلنے کا افسوس نہین ہے - ہمین تو یہ صدمہ ہے کہ اُن کے ساتھ نیشاپور کی رونق اور علمی ترقی سب جاتی رہی - وہ نیشاپور کو تباہ کر کے نکلے -

نیشاپور کی ابھی تباہی نیشاپور کا تصفیہ باقی تھا - شاہ خراسان کے وزیر نے وہان پہونچ کے ۳۵۵ھ میں ابوالقاسم نقیب علویین کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ تمھارے ہی سبب سے یہ فساد ہوا - اور تمام خرابیان ہوئین - اور بازاروں

پھر گرم ہوا۔ اور علویین میں سے ہزارہا آدمی تہ تیغ ہوے۔ اور نیشاپور بالکل تباہ و برباد ہوگیا۔ بلکہ یون کہنا چاہیے کہ اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اس خون ریزی کے زمانے مین جامع عقیل جس مین بڑے بڑے مشاہیر علما کا مجمع تھا تباہ کردی گئی۔ خاص اُسی مسجد مین کئی کتبخانے تھے۔ اور انھین کتبخانون کی وجہ سے نیشاپور اُن دنون مشہور تھا۔ علاوہ برین اس شہر مین بہت سے نامور مدرسے بھی اس فتنہ مین برباد ہوے۔ آٹھ مدرسے خاص حنفیون کے اور سترہ مدرسے شافعیون کے جن مین ہزارہا طالب علم درس پارہے تھے۔ اور نیشاپور کی برکتین تمام دنیاے اسلام مین پھیلا رہے تھے۔ ایسے برباد ہوے کہ نام بھی نہ رہا۔ اس شہر مین بارہ بہت بڑے جلیل القدر کتبخانے تھے۔ اُن مین سے پانچ مین تو آگ لگادی گئی۔ اور جل کر خاک سیاہ ہوگئے اور سات اس بے رحمی سے لوٹے گئے کہ بالکل پتہ نہ لگا۔ اور وہ قیمتی اور بے مثل کتابین ایسی کم قیمت اور بے دامون خراسان کے بازارون مین بکین کہ علم کی اُس سے زیادہ توہین ممکن نہین ہے۔ یہ کتنا بڑا عظیم الشان نقصان تھا اور عام نظرون مین یہ تباہی کس قدر زیادہ معلوم ہوتی ہے مگر مورخین کے نزدیک یہ واقعہ اس سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہین کہ نیشاپور کو اس فتنہ مین اسکے علاوہ جو اور نقصان ہو چکا اُس کا شمار اور اندازہ غیر ممکن ہے۔

بہرحال اسکو زمانہ جانتا ہے کہ نیشاپور کے علاوہ ہزارون کو شیعون اور سنیون نے لڑ جھگڑ کے خود آپ اپنے ہاتھ سے کھویا۔ وہ تو جو ہونا تھا ہوا۔ کہنے والے کہدینگے کہ خدا کی مرضی یہی تھی۔ افسوس صد ہزار افسوس۔ اسکو کوئی کیا کرے کہ آج بھی یہ دونون فریق اُسی جہالت اور اُسی حماقت سے لڑے جاتے ہین۔ نے خدا تو انھین کیا چشمہ بنا نہ دے گا؟

مسلمان اور عیسائی

اب بہت زیادہ ضرورت ہے کہ ان دونون قومون کے قدیم و جدید تعلقات پر عمدہ طور سے غور کیا جائے۔ تعصب اور مذہبی غلو کا زمانہ گذر گیا اور روز بروز

گنا جاتا ہے وہ باتین قدیم ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ کی تقلیدی تعلیم کے ساتھ نبھتی چلی جاتی تھین - جنھون نے آج کل کے بہت بڑے بڑے دہریون کی نظر مین مذہب ہی کو تمام مظالم اور خونریزیون کا باعث قرار دے دیا ہے - اور جن کے جواب مین شاید پوپ روم تک کو ساکت ہو جانا پڑا - اب روزبروز زیادہ وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا جاتا ہے کہ اصلی مذہب ان الزامون سے بری تھے - اور جس قدر اعتراض کیئے گئے ہین یا ہوسکتے ہین وہ صرف بعض اہل مذہب کے جاہلانہ تعصبات پر ہین - مگر پھر بھی ہمین تھوڑا بہت غور ضرور کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ عیسائیون نے قدیم زمانہ مین مسلمانون کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا - اور مسلمان مسیحیون سے کس طرح پیش آئے -

نبی ناصری یا حضرت مسیح کے بعد دین مسیحی نے ایک فوری ترقی کی - اور تھوڑے ہی عرصے مین تمام مغربی دنیا کو گھیر لیا - قیاصرۂ روم کے دربار نے بڑے ذوق و شوق بلکہ بڑے جوش و خروش سے اس مذہب کو قبول کیا - جنکی وجہ سے یورپ کے وحشیون سے بت پرستی اور اُنکے مجنونانہ خیالات چھوٹے - اُدھر اس دین نے جسکی روحانیت کا بہت بڑا دعوے کیا جاتا ہے مصر سے بڑھ کر افریقہ کا بھی بہت زیادہ حصہ فتح کر لیا - مغربی ایشیا کے ممالک جن مین ایشیاے کوچک شام و ارض فلسطین داخل تھے - وہ سلطنت روم ہی مین شامل تھے - یہان بھی یہود پرست دارایان کی کمین اور عیسویت روزافزوں ترقی کر رہی - صرف زردشتی سلطنت نے جو مشرق کی طرف نہایت مضبوط حدبندی کیے ہوے تھی کسی طرح دین مسیحی کو مشرقی دنیا میں قدم نہ بڑھانے دیا -

مسیحیون نے اپنی اس ترقی اور فتحمندی کی رفتار مین دیگر اقوام کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا اس کے بیان کرنے کی ہمین کچھ ضرورت نہین - کیونکہ ہم دین مسیحی کو بمقابل دین اسلام کے دیکھنا چاہتے ہین - نہ دیگر اقوام کے مقابل مین - دنیا بھر جانتی ہے کہ اس وقت مسیحیون مین کسی قسم کی شائستگی نہ تھی - اور اگر تھی تو ایسی کہ فلسفہ کی کتابین مضر اور ہلا مذہب بنانے والی تصور کر کے کلیسیا کی کوٹھریون مین مقفل کر دی گئین اور اُن پر متعصب مقتدایان دین مسیحی کا پہرہ بٹھایا گیا تھا -

اس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ جب ساتوین صدی مین دولت
عباسیہ کی جانب سے قیصر روم کو لکھا گیا کہ فلسفہ اور حکمت کی کتابین جس قدر
بہم پہونچ سکین بھیجی جائین۔ اس وقت دولت روم کے تمام مسیحی علما نے
یہ آخری فیصلہ کیا کہ "یہ کتابین مسلمانون کو ضرور دی جائین۔ اس لیے کہ تھوڑی
ہی مدت مین ان کتابون سے ان کا جوش مذہبی فرو ہو جائے گا" الغرض یہ
ثابت ہوا کہ ان دنون فلسفہ کی نسبت یورپ کے یہ خیالات تھے۔ اور اسی وجہ
سے ان کی جانب جیسے تعصبات، مذہبی زیادتیان منسوب کی جائین جائز تصور
کی جائین گی۔ اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ یہود پر بہت سخت ظلم ہوے۔ انکی عورتین
پکڑ کے لونڈیان بنائی گئین۔ اور وہ خانمان برباد کر دیے گئے۔ یہود تو یہود خود
مسیحیون نے بعض اپنے ہی مغلوب فرقون پر ایسے جور کیے کہ انکو کہین ٹھہرنے اور
اور قدم جمانے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ عرب جہان کے صحراؤن اور کوہستانون مین
ٹھوکرین کھاتا اور بت پرستون کے پڑوس مین بے منتی کے ساتھ زندگی بسر کرتا
کوئی با اطمینان اور مہذب شخص نہین نوا اگر تھا تو وہان بھاگ کے
یہودی اور مغلوب مسیحی فرقے پناہ گزین ہوے تھے۔ تو مورخین دنیا خود عیسائی
مورخون کو اعتراف کرنا پڑا ہے کہ ان کے قدیم اہل مذہب کے ہاتھون نے
دنیا پر بڑے بڑے ظلم کیے۔ اور حضرت مسیح کا قول سچ ہوا کہ "مین دنیا مین [illegible]
نہین آیا ہون بلکہ قتل و خونریزی لے کے آیا ہون۔" جناب مسیح کی یہ پیشین گوئی
چھٹی صدی تک پوری ہوتی رہی۔

یہان تک کہ وہ وقت آیا جو ان خونریزیون کا انتقام لینے کے لیے
معین کیا گیا تھا۔ جناب رسالتمآب پیدا ہوے۔ اور آپ کی تعلیمات آہستہ آہستہ
جزیرہ نماے عرب مین پھیلتی رہین۔ آخر تمام اہل عرب اس علم نبوی کے تابع
ہو گئے۔ اور سرزمین عرب کے ہر ہر گوشے سے کلمہ توحید کی آواز اس جوش و
خروش سے بلند ہوئی کہ ظالم دربار روم اور غفلت شعار دربار ایران خواب
سے یک بیک چونک پڑے۔ آپ تو حق کے دبانے کی کوشش مین انتہا سے زیادہ
سرگرمیان دکھائی جانے لگین۔ مگر یہ

چراغے را کہ ایزد برفروزد　　کسے کو پف زند ریشش بسوزد

رومیون کے جھنڈے کے نیچے یونانیون کو پیہم شکستین ہونے لگین۔ مسلمانون نے موقع پا کے یکایک سرزمین عرب سے باہر قدم نکالا - اور ان دونون کی وہ سلطنتین جو مذہب کی وکالت مین آئے دن آدمیون کے خون سے اپنے ہواخواہون کی تلوارین رنگا کرتی تھین ان کی جولان گاہ قرار پا گئین۔ مسلمانون کے متواتر فتوحات نے انکے جو صلے اور بڑھا دیے - اور وہ ایران وشام کی مہمیں سر کرکے ملک مصر مین گئے - اور قبطیون کی سلطنت کو پامال کرتے ہوے ایسے بڑھے کہ تمام بر اعظم افریقہ کو طے کرکے سواحل بحر مغرب تک پہونچ گئے۔

یہ پہلا زمانہ تھا کہ جس وقت مسلمان عیسائیون کی تقدیر کے مالک بنے تھے زیادہ تر یہی دیکھنا ہے کہ مسلمانون نے اسوقت عیسائیون کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ مسلمانون کو جتنی لڑائیان لڑنا پڑین باستثناے بلاد عجم کے سب مسیحیوں سے تھین۔ ان کو زبان حضرت رسالت سے معلوم ہو چکا تھا کہ عیسائی لوگون مین یہود کی ایسی قساوت نہین ہے۔ بیشک اس خیال سے وہ مسیحیون کو نہ ستاتے۔ مگر کیا کرتے جبکہ ان کی بیخ کنی کے لیے سلطنت روم مین بڑے تزک واحتشام سے فوجین جمع کی جا رہی تھین - اور اگر خلیفۂ اول جناب صدیق اپنی طرف سے فوجین نہ روانہ کرتے تو بیشک یونانی سپاہی حدود عرب مین آکر بازار جنگ گرم کر دیتے اور ان مہمات مین پھر یہی آجاتی جو اسی وقت ندامت کے ساتھ اپنے ارتداد سے تائب ہوئی تھین۔ قیصر روم کے حملہ روکنے کے لیے مسلمانون نے بھی مستعدی ظاہر کی۔

باوجودیکہ رومی فوجین مسلمانون کی پوری دشمن تھین۔ اور اہل حجاز کو ان سے کسی رعایت کی امید نہ تھی۔ مگر جو احکام اور نصائح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہر مرتبہ فوجون کی روانگی کے وقت ارشاد فرماتے تھے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان صرف اپنی حفاظت یا کلمۂ توحید کے رواج دینے کی غرض سے بڑھے تھے۔ کوئی دنیاوی طمع یا خونریزی کا شوق یا متعصبانہ جوش انکے دل مین نہ تھا۔ یہ ہدایات کہ بچے اور بوڑھے نہ مارے جائین درخت نہ کاٹے جائین۔

کھیتیاں پامال نہ کی جائیں - عورتیں - بچے - بوڑھے - اور ضعیف و مریض ہرگز
نہ قتل کیے جائیں " اور سب سے زیادہ بے تعصبی کی وضاحت اس حکم سے
ہوتی ہے کہ " وہ گوشہ نشین راہب اور مقتدایان دین مسیحی جو گرجوں میں
عزلت گزین ہو گئے ہیں اُن پر ہرگز تلوار نہ بلند کی جائے " یہ نصیحتیں نہ تھیں
بلکہ یہ واجب التعمیل احکام تھے - جن کو ہر مسلمان سپاہی اپنے بازو پہ باندھ
کے چلا تھا -

میور صاحب جنھوں نے مسلمانوں کو الزام دینے کی بڑی بڑی کوششیں
کی ہیں وہی اپنے تذکرۂ پیغمبر اسلام کے دوسرے حصے میں لکھتے ہیں کہ رسالتمآب
نے بنی حارث اور بنی نجران کے اسقف اعظم اور دیگر اساقفہ اور نیز ان کی
پیروی کرنے والوں اور راہبوں کو اس مضمون کا خط لکھا تھا کہ ہر چیز خواہ قلیل
ہو خواہ کثیر - جس حیثیت سے اب تمھارے کنیسوں اور خانقاہوں میں ہے
اسی حیثیت سے وہ تمھارے قبضے میں رہیگی - اور تم اسی طرح اسے اپنے کام
میں لاؤ جس طرح اب لاتے ہو خود خداوند عالم اور اس کا رسول عہد کرتا ہے کہ
کوئی اسقف اعظم اپنی عملداری سے اور کوئی راہب اپنی خانقاہ سے اور
کوئی اسقف اپنے عہدے سے برخاست نہ کیا جائے گا اور ان کی حکومت اور
اُنکے حقوق میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کیا جائے گا - اور نہ اس بات میں کچھ تغیر
ہو گا جو اُن میں مرسوم اور مروج ہو - اور جب تک وہ صلح و آشتی سے رہیں
وہ اپنا شعار رکھیں گے ظلم و جور نہ کیا جائے گا - نہ وہ کسی پر ظلم و
جور کرنے پائیں گے "

سب سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ منصفانہ اور
غیر متعصبانہ تھی ... جو شہر بیت المقدس میں داخل ہونے کے وقت ان سے
ظاہر ہوئی - ۱۶ھ میں جب حضرت عمر بیت المقدس میں گئے تو گھوڑے پر
سوار سفر و ... اسقف اعظم سے بیت المقدس کی عمارات قدیم وغیرہ کا
تذکرہ کرتے ہوئے شہر کے اندر گئے اور جب نماز ظہر کا وقت آیا تو خلیفہ نے اس کلیسا
بزرگ میں نماز پڑھنا نہ منظور کیا جہاں اس وقت کھڑے ہوئے تھے بلکہ ایک

ٹیمینٹ نیچہ پر فریضۂ ٹھہرادیا گیا۔ اور اسقف اعظم سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ اگر میں اس کلیسا کے اندر نماز پڑھتا تو آئندہ مسلمان اُس معاہدے کے خلاف کرتے جو ہم سے تم سے ہوگیا ہے۔ اور یہ حیلہ کرتے کہ جب خود خلیفہ نے اس گرجا میں نماز پڑھی تو پھر ہم کو کون مانع ہے ؟

ان تمام نظائر و شواہد سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام کا برتاؤ مسیحی راہبون کے ساتھ کیا تھا۔ انکو پوری آزادی دی جاتی تھی اور اُنکے حقوق کی نگہداشت کی جاتی تھی۔ جو عہد کر لیا جاتا تھا اُس پر ہر مسلمان عملدرآمد کرتا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ پختگی تھی کہ جانشینان خلافتِ اسلام جنھون نے شخصی حکومت قائم کرکے اپنی زبانون کو قانون بنا دیا تھا، وہ بھی اُن عہدنامون کی پوری پوری تعمیل کرتے تھے۔ عہد کا پورا کرنا اور باوجود اپنے نقصان کے اُس پر قائم رہنا مسلمانون ہی کا حصہ تھا۔ جس کی نظیر اُس وقت کی دیگر اقوام تو درکنار شاید اُن سے پہلے اور بعد بھی کسی قوم میں نہ پائی گئی ہوگی۔

اکثر راہبون اور کلیسا کے گوشہ نشینون نے مسلمانون کے ساتھ دغابازی۔ انکو فریب دیے۔ مگر ان کا یہ علاج تھا کہ اُن راہبون پر دانت کٹکٹا کٹکٹا کے رہ جاتے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ دشمن لڑنے والون کو بھی جان بچانے کا یہ نہایت عمدہ پہلو دے دیا گیا تھا کہ جزیہ کے نام سے سالانہ ایک رقم ادا کرین۔ جو سلطنتون کے معمولی خراج سے بہت کم تھی۔ اور جس کی ادائی کے بعد اُن لوگون کا خون بھی ویسا ہی حرام ہو جاتا تھا جیسا کہ کسی مسلمان کا خون حرام ہو۔ یہ وہ رقم تھی جس پر مسلمان اپنی حفاظتی یا حسب بیان الزام دینے والے مورخین کے اپنی حملہ آوری کی کارروائیون کا خاتمہ کیا کرتے تھے۔ مسیحیون کو امن کے بعد اپنے گرجون میں بیٹھنے اپنی نماز ادا کرنے۔ اپنے مذہبی مراسم بجا لانے کا اختیار دیدیا جاتا تھا۔ جس تہذیب کے ساتھ مسلمانون نے فوجی زیادتیون اور سپاہیون کی دست درازیون کو روکا ہے۔ اور تاخت و تاراج کی کارروائیون کو ضابطہ کے ساتھ ایک مہذب قانون کا پابند بنا دیا ہے وہ شاید انھین کا حصہ تھا۔ اور کوئی فاتح قوم اس امر میں اُن کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ہر حملہ آور کو الزام دے دینا

نہایت آسان ہے۔ اگر اس کی حالت اور اسکی مجبوریون کا لحاظ کیا جائے۔ تو
وہ معمولی تہذیب نہ تھی جو نبی عربی پر ایمان لانے والون اور پیروان اسلام
سے ظاہر ہوئی۔

مسلمانون کے اس فتحمندی کے سیلاب نے قبطیون اور آتش پرستون
کا خاتمہ کر دیا۔ عیسائی مذہب البتہ اس زور شور سے دنیا پر حاوی تھا کہ
مسلمانون نے اگرچہ سلطنت روم کو تباہ کر دیا مگر دین عیسوی کو زک نہ دے سکے۔

اب یہ زمانہ گذر گیا۔ اور وہ زمانہ آیا جب بنی امیہ اور خاندان عباسیہ
کی فرمان روا خلافت کے نام سے دنیائے اسلام پر حکومت کر رہے تھے۔ اون
دونون اگرچہ وہ اگلے خلفا کے باندھے ہوئے اصول توڑ گئے تھے اور اسلام مین
ایک نمایشی شان و شوکت ظہور پذیر ہوئی تھی۔ جس سے کم امید ہو سکتی تھی کہ
مسلمان فرمانروا اپنی دینی وقعت اور عزت کے خیال سے کسی غیر قوم والے
کی بھی کچھ وقعت کرین گے۔ مگر نہین۔ اون کی عدل پروریون سے عیسائیون بلکہ
عموماً دیگر اقوام کے لیے ترقی کے دروازے کھل گئے تھے۔ سیکڑون عیسائی اور یہودی
نکلین گے جو پچھلے خلفا کے دربارون مین بڑی عزت و وقعت سے جگہ پاتے تھے۔
اونکے علوم کی قدر ہوتی تھی۔ اونکا ادب و لحاظ کیا جاتا تھا۔ اور نہایت خوشی سے
اون کی شاگردی کی جاتی تھی۔ علوم و فنون کی دنیا مین اگرچہ خاص مسلمانون نے
بہت بڑی نمایان ترقی ظاہر کی۔ مگر عموماً انکی شاگردی کا اعتراف کر رہے ہین۔
اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ تعلیم مین گو کہ زیادہ حصہ دینیات کا تھا مگر بعض
مدارس کے پرنسپل عیسائی عالم مقرر کیے گئے بیت الحکمۃ جو مسلمانون کی ترقی علم کا
سرچشمہ تھا۔ اس مین اکثر مترجم اور علما عیسائی ہی تھے۔ جن سے کبھی وجہ
مخالفت مذہب نے ناراضی نہین ظاہر کی گئی۔ علما اور خلفا مین رواداری کا برتاؤ رہا۔ ان
مین سے بعض نے دین اسلام قبول بھی کر لیا۔ اور بعض آخر تک اپنے مذہب
پر قائم رہے۔

خلفائے بنو امیہ مین سے ولید بن عبد الملک نے جامع دمشق کی تعمیر کے
وقت ارادہ کیا کہ ایک گرجے کو جو اس کے پڑوس مین تھا منہدم کرکے مسجد مین

لے - اگرچہ ولید ہونی مشعت مرت خلیفہ نہین مانا گیا ہے - مگر اس کا روائی
ی بھی اُس نے مسیحیون کی یہ رعایت کی کہ اُس گرجے کو مول لے لینا چاہا -
مائی جس قدر قیمت طلب کرتے وہ دینے کو موجود تھا - مگر مسیحیون نے
ہی رحمدلی کی بالکل قدر نہ کی اور صاف انکار کر دیا - جس پر ولید نے
اض ہو کر حکم دیدیا کہ وہ گرجا زبردستی توڑ کے جامع دمشق مین ملا دیا جائے -
ب وقت مسیحی لوگ روپیہ لینے پر راضی ہو گئے - مگر ولید کا مزاج برہم ہو چکا
- اُس نے ذرا پروا نہ کی - روپیہ دینے سے بھی اب انکار کر دیا اور وہ گرجا
ن منہدم کر کے مسجد مین شامل کر دیا - جو عیسائی طبائع اس واقعے سے غضب ناک
ی ہوئی آخر خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے اُنکے آنسو پونچھے - اور حاکم دمشق
نام فرمان جاری کیا کہ ولید نے گرجے کو توڑ کے جس قدر مسجد مین اضافہ
یا تھا وہ حصہ ڈھا دیا جائے - اور عیسائیون کو اجازت دی جائے کہ
ن اپنا گرجا بنا لین - اسکے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعے نکلین گے
ے مسلمانون کی اعلیٰ فیاضی اور رحمدلی ثابت ہوگی - مصر کے گرجون کے
تھ بھی اسلامی حکومتوں نے ایسا ہی برتاؤ کیا - یعنی وہان کے بنے ایک
زنے تمام کنیسے مسمار کر دیے تھے - مگر پھر اُسکے بعد ایسا انصاف پسند اور
مدل حاکم آیا جس نے وہ تمام کنیسے شاہی خزانہ پر بار ڈال کے تعمیر کرا دیے -
خصی سلطنتون مین یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ - اسی وجہ سے
ں قسم کی مختلف کارروائیان ہوتی تھین - بخلاف عیسائیون کے جو گویا تعدی
پاش بھول گئے تھے - اُن مین رحمدلی کے نشان بالکل نہ ملین گے - اُن کی
ام حالت ظلم و جور کی تھی - اور دیگر مذاہب کے حق مین ایک سے ایک
ھ کر جابر بادشاہ ہوا - جن کی وجہ سے یورپ مین خونریزی کا ایسا مسلسل قانون
ائم ہو گیا تھا جس کی کوئی انتہا نہ تھی -

اس موقع پر وہ واقعہ بھی نقل کرنے کے قابل ہے جو مولانا شبلی نے اپنی
تاب المامون مین بیان کیا ہے کہ عبد المسیح بن اسحٰق کندی جو ایک عیسائی عالم
و معزز عہدے پر ممتاز تھا - مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا - اس

ہاشمی نے عبدالمسیح کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکھا۔ کہ آپ جو
اسلام قبول کر لیں تو خوب ہو۔ مجھ کو افسوس ہے کہ ایک ایسے سچے مذہب کی طرف
جیسا اسلام ہے آپ اب تک مائل نہیں ہوئے۔ اس خط کے جواب میں عبدالمسیح
نے جو کچھ لکھا جب تک کوئی شخص خود نہ دیکھ لے۔ اُس کا اندازہ نہیں کر سکتا
اُس برگزیدہ رہنمائے خلق یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید اور صحابہ
کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سُن کر دل کانپ جاتا ہے اس کی نسبت مولوی شبلی
صاحب ہی کا فیصلہ نہایت عمدہ ہے۔ کہ عبدالمسیح اگر اس زمانہ میں ہوتا تو تعزیرات
ہند کی حدود میں ضرور آ جاتا۔ مگر مامون ہی ایسا شخص تھا جس نے عبدالمسیح کی
متعصبانہ تحریر کو انتقام یا جوش مذہبی کی نظر سے نہ دیکھا۔

اس زمانہ کے بعد جب صلیبی لڑائیاں شروع ہوئیں۔ اُن دنوں مسیحیوں
کے ساتھ جیسے برتاؤ اہل اسلام کی جانب سے کیے گئے ہیں تمام کتب تاریخ
میں اُنکی شائستگی کی شہادت موجود ہے۔ خود سلطان صلاح الدین جسکی سطوت
اور شجاعت کو یورپ کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ جس نے اگرچہ عیسائیوں ہی کے مقابلہ
میں زندگی گذاری اور کامیاب ہوتا رہا۔ اگرچہ مسیحیوں نے اُسکے اشتعال طبع کے
متعلق کوئی کارروائی نہیں اُٹھا رکھی تھی مگر وہ ہمیشہ اُسی شریفانہ برتاؤ سے
پیش آیا جو ایک مہذب دلیر کے شایان ہے۔ گبن اور دیگر مصنف فرنگی مورخوں
نے تسلیم کیا ہے کہ صلاح الدین کے شریفانہ چال چلن سے آگے وہ شیر دل شاہ رچرڈ
جس پر انگلستان کو آج تک ناز ہے وہ ہمیشہ [illegible] کوئی چیز نہ تھا۔ رچرڈ کی
طبیعت میں ظلم و غرور تھا۔ جو سچی بہادری اور اصلی شجاعت کے بالکل خلاف ہے۔

وہی بیت المقدس جس میں تھوڑی ہی مدت پہلے ستر ہزار مسلمان قتل
کیے گئے تھے۔ جب صلاح الدین نے اُسے فتح کیا ہے تو وہ مسیحیوں کے قدم قدم
کا پورا بدلہ لے سکتا تھا۔ اور خود عیسائیوں کو اسکا یقین تھا۔ ہر عیسائی عورت و
بچہ اُس وقت دل ہی دل میں کانپ رہا تھا۔ دیکھیے اب سلطان کیا کرتا ہے۔ مگر
صلاح الدین نے رحم سے کام لیا۔ [illegible] لوگوں کو حیرت
ہو گئی۔ اُس نے حکم دیا کہ ہر مرد اپنی حرمت سے [illegible]

اور مسیحیون کی طرف سے ایک ایک دینار چالیس دن کے اندر داخل کر دیا جائے۔
اور جو لوگ ادا نہ کر سکین گے وہ مسلمانون کے غلام ہو جائین گے اور اُنکو آزادی
کا کوئی حق نہ ہوگا۔ باوجود اسکے کہ یہ بہت فروتنی تھی پھر بھی ہزارہا مسیحی نہ ادا
کر سکے۔ جن کی حالت دیکھ کے اُسکا دل نرم ہو گیا۔ اور آخر اُس نے سب کو چھوڑ
دیا۔ جس وقت یہ لوگ نکلے ہین۔ صلاح الدین کی آنکھون سے آنسو جاری
تھے۔ یہان کا عیسائی بادشاہ پہلے ہی مسلمانون کے ہاتھ مین گرفتار ہو گیا تھا۔
جب صلاح الدین اُس کی ملکہ سے ملا ہے۔ تو اُس کی آنکھین نم تھین۔ روتا
جاتا تھا اور باتین کرتا جاتا تھا۔

یہ وہ تمام فیاضانہ برتاؤ تھے جو مسلمانون کی جانب سے مسیحیون کے ساتھ
کیے گئے۔ ہم کو یہ دعوی نہین ہے کہ عیسائیون پر مسلمانون نے کبھی ظلم کیے ہی نہین۔
بیشک بعض اوقات بعض جاہل اور متعصب حکمرانون نے اس قسم کے جبر کیے کہ اُنکے
معابد اور کنیسے ڈھا دیے اور مذہبی توہین کی۔ لیکن تاریخ ہی بتاتی ہے کہ ہمیشہ
اُن مظالم کا نہایت عمدہ معاوضہ ہو گیا۔ اور اس دلشکنی کے عوض ایسی دلدہی کی
گئی کہ عیسائی اپنی مظلومیت کو بھول گئے۔ درمیانی زمانہ جس وقت کہ یورپ مین
کروسیڈ کا جوش رہ رہ کر اُبھرتا تھا۔ اُن دنون یہ عام قاعدہ تھا کہ یورپین
جہاز جب کبھی مسلمانون کے قبضے مین آ جاتا تھا تو اُسکے تمام مسافر زن و مرد
بلا امتیاز و استثنا مصر و شام کے بازارون مین لا کر بیچ ڈالے جاتے تھے۔ اہل
اسلام کے جہازون کے ساتھ فرانس کے لوگون کا برتاؤ اُس سے زیادہ سخت
ہوا کرتا تھا۔ یعنی جو مسلمان گرفتار ہوتے تھے شاید اُن مین سے دو چار بچا لیے
جاتے ہون ورنہ عموماً اکثرون کی بڑے بڑے کنیسون اور گرجون پر قربانی چڑھا
دی جاتی تھی۔ جب تک ایک زمانے مین میڈیٹرینین سی (بحیرہ روم) کی لہرین
ایسی ظالمانہ شوخیان کر رہی تھیں اور وہ سمندر اِن قزاقیون کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا
اُسکو ابھی زیادہ زمانہ نہین گذرا۔ دولت عثمانیہ کے دور تک یہ مظالم موجود تھے۔ اس
سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ عیسائیون کا برتاؤ اُس دریائی رہزنی مین مسلمانون کے
اعتبار سے بہت ظالمانہ تھا۔ ہان یہ تعدی یا مسلمانون کی بہادری کا نتیجہ تھا کہ

زیادہ جہاز عیسائیوں ہی کے گرفتار ہوے - چونکہ ان کی قوت کے مقابلے سلطان بہت زیادہ تھے - لہذا یورپ پر ان کا ایک رعب بیٹھ گیا - اور عیسائیون نے بے لڑے بھڑے اپنی قسمت مسلمانون کے سپرد کر دی - اسی وجہ سے مسلمان کامیاب ہوے -

دولت عثمانیہ جسکی عداوت پر اب سارا یورپ آمادہ ہے اور جسکے ضعیف کرنے اور جسکے تباہ کرنے کے لیے سیکڑون برس سے پوشیدہ سازشیان قرار دی جا رہی ہین - اور ہولی الائینس کا جال تمام عیسائی دول یورپ پر ڈالا گیا ہے جسکی رعایا اُس سے باغی کی جاتی ہے اور بڑی بڑی کوششون سے بغاوت کے جھنڈے بلند کرائے جاتے ہین - اُس کی جانب سے بھی مسیحیون کے ساتھ ایسی ایسی فیاضیان کی گئی ہین کہ اگر مسلمان عیسائیون کے زیر فرمان ہوتے تو ہرگز ایسی رعایتون کے امیدوار نہ ہوتے - وہ زبردست فاتح جس کی تلوار نے سارے یورپ کو لرزا دیا تھا - اور جسکی جوانمردیون نے کروسیڈ والون کے بھی حوصلے پست کر دیے تھے - وہ کون؟ سلطان محمد ثانی جس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا - اور اُس شہر پر ہلالی جھنڈا اُڑا دیا جسکے گرد مسلمانون کی بہت سی زبردست قومون کو زک مل چکی تھی - اور جسکی دیوارون کے نیچے عبد اللہ بن ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ایسا جلیل القدر صحابی چھ سو برس تک ایک گمنام لحد مین خواب عدم کی نیند مین پڑا رہا - اُسی زبردست مجاہد اور فاتح کا ذکر ہے کہ جب ۱۴۴۴ء مین ہنیاڈس والوود نے شہر وارنا کا محاصرہ کیا جو محمد ثانی کے قبضے مین تھا اُسوقت جارج برنیکوڈش نے جو گریک چرچ کا مقتدا تھا - ہنیاڈس سے پوچھا کہ "اگر آپ کو فتح حاصل ہوئی تو کیا کیجیے گا؟ ہنیاڈس نے جواب دیا کہ "فتح ہوئی - تو مین جبراً وقہراً تمام رعایا کو رومن کیتھولک طریقہ کا پابند بنا دون گا - اور کسی شخص کو اس سے مفر نہ ہوگا" یہ جواب پاکے برنیکوڈش سلطان محمد ثانی کے پاس گیا - اور اُس فتحمند سلطان سے بھی یہی سوال کیا - سلطان محمد ثانی بولا کہ "اگر خدا نے مجھے فتح دی تو ہر مسجد کے پاس ایک گرجا بنوا دون گا - اور لوگون کو اجازت دون گا کہ چاہین مسجد مین جائین

ئے گے سر جھکا دیئے۔ اور جا بجا مین تعیب کے آگے ؟ اور اسی جواب نے سرویا والون کو خود بخود ترکون کا مطیع کر دیا۔ یہ ایک ایسا غیر متعصبانہ اقدام تھا جو شاید کسی قدیم مسیحی بادشاہ کے دل مین بھی نہ گذرا ہوگا۔ موجودہ تہذیب کا زمانہ جس مین حکومت مذہب سے بالکل جدا کر دی گئی ہے۔ اور جبکہ مذہبی جوش اور دینداری کے تعصب کی جگہ قومی اور ہموطنی کا تعصب پیدا ہو گیا ہے۔ یہ بھی اس خیال کے فرمانروا نہین پیش کر سکتا۔ اس زمانے کے فرمانرواون کو ہم ہرگز یہ الزام نہین دے سکتے کہ اُنکے طرز حکمرانی مین کسی مقام پر بھی عیسائیت کی بو آتی ہے۔ لیکن اس مین شک نہین کہ اب اُس مذہبی تعصب کی جگہ قومی جوش اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ باوجود بڑی انصاف پسندی کے دعوون کے انگریزی عدالتین درکنار انگریزی قانون بھی قومی تعصب کے لگاؤ سے خالی نہین۔ اور جب انگریزی قانون کا یہ حال ہے تو دیگر یوروپین سلطنتون کا کیا ذکر جو آزادی مین ہنوز برٹش گورنمنٹ سے پیچھے ہین۔ مگر اس زمانے سے ہمین چندان سروکار نہین۔ کیونکہ یہ شائستگی کا زمانہ ہے۔ اور قدیم مسلمانون کا اندازہ اس زمانے کے مقابل مین اُسی طرح نہین ہو سکتا۔ جس طرح رومیون اور یونانیون اور مصریون کی تہذیب کا اندازہ مسلمانون کی ترقی کے دور کے مقابل مین نہین کیا جا سکتا۔ یہ نیچر کا سکھایا ہوا تجربہ ہے کہ "نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول"۔ یہان تک ہم نے جو کچھ بتایا وہ صرف اسی قدر تھا کہ مسلمان عیسائیون کے ساتھ کس فیاضانہ خلق سے پیش آئے؟ یہ ابھی باقی ہے کہ مسیحیون نے مسلمانون کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ افسوس اس موقع پر بہ استثنائے زمانۂ موجودہ کے اور کوئی ایسی نظیر نہین مل سکتی جس سے ثابت ہو کہ کبھی عیسائیون نے مسلمانون کے حال پر رحم کرنا کیسا دست ظلم کو روکا بھی تھا۔ اول تو تاریخ سے یہ ثابت ہی نہین ہوتا کہ کبھی مسلمان رعایا مسیحیون کے زیر فرمان۔ تب بھی ہو۔ یا مسیحی اُس ملک پر حکمران ہوئے ہون جس مین کسی قدر مسلمان بھی آباد تھے۔ فتوحات اسلام کے بعد سے آخر تک ایشیا اور افریقہ کے ممالک پر عموماً اہل اسلام ہی حکمران رہے۔ اور یہی وہ مقامات

ہین جن جن مین مسلمانون کی آبادی تھی۔ مدتین شام پر عیسائیون کو ہوئے تھے کچھ
دنون کے لیے مسیحیون کو مسلمانون کی قسمت کا مالک بنا دیا۔ مگر شاید بخت نصر
تاجدار نینوا کے بعد اُس سرزمین کو ایسے مظالم کبھی نہ برداشت کرنا پڑے
ہون گے جیسے کہ اُس چند روزہ عیسائی حکومت نے کیے۔ تمام مورخین اُس
زمانے کو یاد کرکے روتے ہین۔ یوروپین مورخ جن کے قلم ان ظالم مسیحیون کی
عیب پوشی کرتے کرتے گھس گئے۔ اُنکو بھی آخر مجبور ہو کے وہ جور و ظلم تسلیم ہی کرنا
پڑتے ہین۔ آہ! جس مقام پر جو مسلمان ہاتھ لگا قتل کر ڈالا گیا۔ اور ایسی سختیان
کی گئین جن کو یاد کرکے آج تک لوگون کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین۔ مجاہدان
دین مسیحی نے جب بیت المقدس پر قبضہ پایا تو مسلمانون کے خورد سال بچون کو
دیوارون سے ٹکرا ٹکرا کے اُن کے سر پھاڑ ڈالے اور بھیجے نکال لیے۔ چھوٹے
چھوٹے شیرخوار بچون کو فصیل قلعہ پر سے نیچے دے دے مار کے مار ڈالا۔ جوانون کو
آگ مین زندہ بھون ڈالا۔ اور بعضون کے پیٹ پھاڑ ڈالے کہ دیکھین سونا تو نہین
نگل گئے ہین۔ مسلمان تو خیر مجرم ہی تھے۔ یہود کو اُن کے معبدون مین بند کرکے
زندہ جلا دیا۔ اور لطف یہ کہ پوپ روم کا نائب خود ان مظالم مین شریک ہوا
عربی مورخین کا بیان ہے کہ چالیس دن کے محاصرہ کے بعد جب ۴۹۳ھ مین شعبان
کی ۲۳ تاریخ فرنگیون نے بیت المقدس کو فتح کیا تو کامل ایک ہفتہ تک مسلمانون
پر قتل عام ہوتا رہا۔ صرف مسجد اقصیٰ کے اندر ستر ہزار مسلمان مارے گئے جن
مین بڑے بڑے امام اور علما اور زہاد اور معتقد برکت اور بجوش زہد ہی
گوشہ نشین ہو رہنے والے مسلمان شامل تھے۔ مسجد اقصیٰ مین تمام نجاستین ڈال
کے اُسے ناپاک کر دیا۔ اور مسلمانون کی تمام مسجدین منہدم کر دین۔ یہ کارروائی
تھی جو دو روز کی حکومت مین کی گئی۔ اور یورپ کے مسیحیون کے دامن پر یہ
دھبے ہین جن کو مٹا کے اب پاک دامن بنا ہے۔

اطراف شام مین بھی جن جن شہرون پر عیسائیون کا قبضہ ہوا وہان کے
عام اہل اسلام کے ساتھ بھی اسی قسم کا برتاؤ ہوا۔ اور تمام سرزمین شام ان
ظلمون سے بھر گئی۔ اب اس کے بعد سلطان صلاح الدین نے اُس برتاؤ کو دیکھیے

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین کہ بیت المقدس کو فتح کر کے [illegible] نے کیسی رحمدلی [illegible]
اسی زمانے مین عیسائیون کو مصریون کے مقابل بھی ایک فتح نصیب ہوئی تھی اگرچہ
ہفتہ ہی بھر بعد پھر مسلمانون نے زک دیدی - مگر اس ایک ہفتے مین کون ظلم تھا جو
اُٹھا رکھا گیا -

یورپ مین اسپین کو مسلمانون نے فتح کر لیا تھا - خود یورپین تاریخین گواہ
ہین کہ وہان آٹھ سو برس تک مسلمانون نے عیسائیون کے ساتھ کیسی مراعات
جاری رکھی - اور انکو کس قدر آزادی حاصل تھی - اور بنو امیہ کا دربار انکو کس
عزت کے ساتھ اپنے تقرب کی عزت دیتا رہا - لیکن جب وہان مسلمانون پر زوال
آیا اور حکومت مسلمان فرمان رواؤن کے ہاتھ سے جاتی رہی تو جیسا برتاؤ مسیحیون
نے وہان کی مسلمان رعایا کے ساتھ کیا ہے اُسکو دُنیا کبھی بھول نہین سکتی - اُس
وقت غریب مسلمانون کو کسی شہر کسی گاؤن - کسی قریہ ، بلکہ کسی پہاڑ اور کسی جنگل مین
بھی پناہ نہین ملتی تھی - مسیحیون نے ملک بھر مین اپنی یونیفارمیٹی قائم کرنے کے لیے
کسی مسلمان کو بھی تو نہین چھوڑا - جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہان ایک متنفس بھی
نہین جو خدائے واحد کا نام لینے والا ہو -

ابھی کل کا ذکر ہے کہ بلغاریہ - سرویہ وغیرہ مین مسلمان بچے ماؤن کی گود
سے چھین چھین کے قتل کیے گئے - عورتین بے حرمت کی گئین - مسجدون مین آگ
لگا دی گئی - ہزارون مسلمان ذبح کر ڈالے گئے - اسکا کسی نے نام بھی نہ لیا - سارا
یورپ بولی ہائینس کی مسیحیون مین جکڑا بیٹھا رہا - اور جب ترکون نے ان مظالم کے
انتقام اور بغاوت کے فرو کرنے کے لیے اپنی فوجین روانہ کین تو سارا یورپ چیخ
اُٹھا - روس - جرمن - اور آسٹریا کی طرف سے ظالم باغیون کی اعانت کی گئی -
روپیہ اور اسلحہ سے مدد دی گئی - خیر وہ سب تو نالائق بنائے جاتے ہین - ہمارا
انگلستان - جس کا آزادی اور انصاف پسندی کا نام لیتے لیتے پھیپھڑا پھولا
جاتا ہے - اُس مین بھی ہر جہار طرف دُہائی مچ گئی - اور مسٹر گلیڈسٹون لبرل
بلکہ ریڈیکل خیالات کو خیرباد کہکے چلا اُٹھے کہ "ترکون کو مع اُنکے پاشاؤن
اور قائم مقامون کے یورپ سے نکال باہر کرو - اور کہدو کہ اپنا اختر اختر

سنبھالیں - قدیم جہالت کے زمانوں کو جانے دیجیے - یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے
جو تہذیب کا زمانہ ہے - اور اُن لوگوں کا حال ہے جو تہذیب و آزادی کے مروج
خیال کیے جاتے ہیں - اگر وزارت انگلستان کی کرسی پر وہ لائق اور غیر متعصب
شخص نہ ہوتا جسکی رگوں میں بنی اسرائیل کا خون دوڑ رہا تھا یعنی لارڈ بیکنسفیلڈ
اور قسطنطنیہ میں سفارت برطانیہ کو سر ہنری ایلیٹ کا ایسا راستباز انگریز رونق
نہ دے رہا ہوتا، تو بیشک انگریزی فوجیں بھی ترکوں کے مقابلہ میں صف آرا
ہوتیں اور تین عظیم الشان دول یورپ یعنی روس - جرمن - آسٹریا کا اتحاد ثلاثہ
اتحاد اربعہ ہو جاتا - اور یورپین قوتوں کے چاروں زبردست عناصر اُس میں
شامل ہوتے - دنیائے اسلام عموماً لارڈ بیکنسفیلڈ اور سر ہنری ایلیٹ کی
ممنون ہے - ورنہ یورپ اور مسیحیوں کی دنیا سے اسلام کو کبھی ہمدردی کی امید
ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی - بخلاف اسکے آج بارہ سو برس کا زمانہ ہوا کہ مسلمان
ایشیا کے یہودیوں اور عیسائیوں پر حکومت کر رہے ہیں - اُن کی رعایا میں لاکھوں
نہیں کروروں کا مذہب عیسائی رہا اور ہے - لیکن اُنکے ساتھ جیسا برتاؤ رہا
جس بیدار مغزی سے اُنکے جان و مال کی نگہداشت کی گئی - جس فیاضی سے
وہ اپنے مذہبی ارکان اور آداب کے بجالاتے ہیں آزادی سے رہتے ہیں اُس کی ایک
مثال بھی عیسائی نہیں پیش کر سکتے - اور پھر کتنی بڑی شرم کی بات ہے کہ اُلٹے
مسلمانوں کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ ظالم ہیں - وہ جلاد ہیں - وہ اپنی سرکار کے
وفادار نہیں - اُن کا مذہب جہاد ہے - اُن سے سلطنت کو ہمیشہ ڈرنا چاہیے -
شرمائیں وہ جو کہتے ہیں مسلمان جلاد ہیں - نہیں بلکہ اُن میں اتنا ضرورت سے زیادہ
رحم تھا کہ انھوں نے جلادوں سے ظلم و ستم کا بدلا نہیں لیا اور معاف کر دیا -

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

مشہور ہے کہ اگلے دنوں اگر کوئی بادشاہ کوئی عجیب خواب دیکھتا تھا تو تمام
کاہن اور نجومی طلب کیے جاتے تھے اور اُن سے اُس خواب کی تعبیر پوچھی جاتی
تھی - وہ ایک ایسی بلا میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ کسی طرح مفر نہیں ہو سکتا تھا -

یہ بات بھی نہیں کہ تعبیر بتانے والے کے ساتھ یہ بھی قیدیں ہوتی تھیں کہ بادشاہ کی مرضی کے ہرگز خلاف نہ ہو - اگلی دنیا میں انھیں خوابوں کی وجہ سے بڑی بڑی خونریزیاں ہوئی ہیں - کبھی تو ایسا ہوا کہ شہر بلکہ ملک بھر کے تمام کاہن اور منجم بے دریغ تہ تیغ ہوے - اور کبھی منجموں نے کوئی فقرہ بنا کے اپنا پیچھا چھڑا لیا تو ملک پر ظلم ہونے لگا - اس کی نظیر میں فرعون مصر کا خواب ہے جو ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اس نے دیکھا تھا - منجموں نے تو کہہ دیا تھا کہ ایک لڑکا بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا ہے جو زوال دولت کا باعث ہوگا - اس تعبیر نے غریب بنی اسرائیل کو غلامی کے سوا اس نئی مصیبت میں ڈال دیا کہ اُنکے بچے بے پرسش ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی قتل کر ڈالے جاتے تھے - کچھ اسی خواب پر منحصر نہیں ہے - اسی قسم کے سیکڑوں خواب دیکھے گئے - اور ہزاروں بندگان خدا پر آفت نازل ہوگئی -

اب اس مہذب دنیا نے وہ مظالم تو موقوف کر دیے مگر خواب کا اثر اب بھی مانا جاتا ہے - اور بڑے بڑے علما و اذکیا کو اب بھی تعبیر کہنے کی تکلیف دی جاتی ہے - اس سے ہمیں زیادہ سروکار نہیں کہ خواب کا فی نفسہ کوئی اثر ہے یا نہیں - اور تعبیر واقعیت سے کوئی علاقہ رکھتی ہے - یا صرف ایک ضعیف الاعتقادی ہے - لیکن اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں کہ جب کبھی کوئی غیر معمولی اور نیا خواب دیکھا ہے تو دل میں آئی ہے کہ کسی سے اسکی تعبیر بھی سنئے - اور نہیں تو دل ہی دل میں ایک امید سی پیدا ہو جاتی ہے - یا کسی قسم کا خوف پیدا ہوتا ہے اور کسی بُرائی سے روکتا ہے -

اسلام کے نزدیک خواب کیا چیز ہے ؟ اگرچہ اس کا فیصلہ کرتے وقت اکثر لوگ ہم سے خفا ہو جائیں گے - مگر ہم صاف صاف کہنے میں ذرا تامل نہ کریں گے - ہمارے دین اسلام کے نزدیک اصل میں خواب کوئی چیز نہیں - جو کچھ ہے تعبیر ہے - اور وہ بھی صرف اس لیے کہ کسی بزرگ سے کلمات تعبیر سن کے ہر شخص اپنے دل میں ایک آیندہ خوشی کا امیدوار ہو جائے - تاکہ اسکے دل کو تقویت ہو - اور اُسے ہمیشہ ایک اطمینان حاصل رہے - شارع دین اسلام نے اس امر کا بہت سچا اندازہ کر لیا تھا

کہ خواب انسان کے دل پر بہت بڑا اثر کیا کرتا ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ کوئی سچا
اور مقدس مسلمان اُس کے خیالات کو بُری باتون سے پھیر کے ایک عمدہ مقصود کی
اور امید کی طرف لے آئے۔

اسکے سوا کہین ثابت نہین کہ اسلام نے خواب کو کوئی واقعی امر مانا ہے۔ اپنے
دعوے کے ثبوت مین ہم جناب رسالتمآب صلعم کا ایک فیصلہ پیش کر سکتے ہین جو
صاف طور پر بتا رہا ہے کہ خواب صرف امیدواری کی پوری استعداد پیدا کر دیا
کرتا ہے۔ اور وہی استعداد آخر مین فائز المرام بھی کرا دیتی ہے۔ ایک عورت
ہر سال رسالتمآب صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر ایک خواب بیان کرتی تھی۔
اور آپ ہمیشہ تعبیر مین فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے ایک لڑکا ہوگا۔ اور ویسا ہی
ہوتا تھا۔ چنانچہ اُس عورت کے بہت سے لڑکے ہوے۔ ایک مرتبہ جب وہ
عورت حاضر ہوئی تو جناب عائشہؓ تشریف رکھتی تھین اور خود آنحضرت نہ تھے
اُس عورت نے اپنا خواب حضرت عائشہ کے سامنے بیان کیا۔ انھون نے کچھ
ایسی تعبیر کہدی کہ وہ عورت روتی ہوئی گھر گئی۔ جب جناب رسالتمآب صلعم
تشریف لائے۔ جناب عائشہ نے اُس عورت کا واقعہ آپ کے سامنے دوہرایا۔ آپ
کو نہایت صدمہ ہوا اور فرمانے لگے کہ وہ ہر سال میرے پاس آتی تھی اور مین
تعبیر کہہ دیا کرتا تھا کہ تیرے لڑکا ہوگا۔ وہ خوش خوش جاتی تھی اور خدا اُسے
لڑکا دیتا تھا۔ اب تم نے اُس کا دل توڑ دیا۔ وہ بیشک وہی ہوگا جو تم نے
کہا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جناب یوسف علیہ السلام نے قیدخانے مین جن دو قیدیون کے خواب کی تعبیر
فرمائی تھی اُن کی نسبت اکثر مفسرین اور عبداللہ بن مسعود کے ایسے ثقہ اور
جلیل القدر صحابی کی راے ہے کہ اُن دونون نے اصل مین خواب نہین دیکھا تھا
بلکہ یوسف علیہ السلام کی آزمایش کے لیے انھون نے ایک خواب بنا کے سنا دیا
تھا۔ اور جب حضرت یوسف کی زبان سے تعبیر سنی تو وہ شخص جس کی نسبت قتل
کا حکم لگایا گیا تھا اُس نے صاف کہدیا کہ مین نے تو خواب ہی نہین دیکھا تھا
صرف تمھارے دھوکا دینے کے لیے مین نے ایک بات بنائی تھی۔ جسکے جواب مین

یوسف علیہ السلام نے کہا کہ "اب تو جو ہونا تھا ہو چکا - میں نے جو حکم لگایا تھا اُس میں سرمو فرق نہ آئے گا - چنانچہ صبح ہی کو وہ امر ظہور پذیر ہوا جو حضرت یوسف نے فرما دیا تھا -

اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خواب اصل میں کوئی چیز نہیں - ہاں اتنی واقعیت ضرور ہے کہ انسان کے خیال اور اعتقاد پر کچھ ایسا اثر ہو جاتا ہے کہ وہ بڑے ہی ذوق و شوق سے اپنی آیندہ آرزو کا امیدوار ہو جاتا ہے - اور اپنے تئیں اُس آرزو کے قابل بنا لیتا ہے - یا اگر بُری تعبیر بتائی گئی ہے تو کسی بڑی خرابی سے بچنے کی کوشش کرتا رہتا ہے - اور یہ دونوں ایسے امور ہیں کہ جب دل سے اور سچی ہمت سے ہوں گے ممکن نہیں کہ ان کا اثر نہ ظاہر ہو - یا دوسرے الفاظ میں کہا جائے کہ خواب سچا نہ ہو جائے -

اب ایسا زمانہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبائع خواب کو بالکل بے اصل اور لغو خیال کرنے لگی ہیں - اُن کی نسبت ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ انکی فلاسفی نے دنیا کو بالکل ناامید کر دیا - وہ آرزومندی کا شوق دلوں سے جاتا رہا - جب سے یہ خیال پیدا ہوا کہ خواب صرف ایک ڈھکوسلا ہے اور اُسکی تعبیر مغلانی کی کہانیاں -

مگر اسکا ضرر اگر کچھ ہو سکتا ہے تو یورپ پر - بلکہ یورپ پر بھی نہیں - کیونکہ وہاں طبائع میں ترقی کا ایک ایسا جوش پیدا ہو گیا ہے جو شاید کسی اور طرح ممکن ہی نہیں - اس خیال سے جو کچھ مصیبت پڑی صرف اُن لوگوں پر جو ایشیا میں پیدا ہوے - اور مغربی تعلیم کے اثر سے بجائے اسکے کہ خود ترقی کریں صرف ان قدیم مسلمت آمیز امور کا باطل کرنا آ گیا -

ایک عرصے کی غفلت یا جہالت کے بعد جن لوگوں کی آنکھ کھُل گئی ہے اُنکو اپنا قدیم سطوت و دبدبہ اور اپنی اگلی ترقی و ناموری ایک خواب ہی معلوم ہوتی ہے - اس خواب کو وہ دردانگیز اور عبرت آمیز الفاظ میں ہر بزرگ اور ہر مقتدائے قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں - اور پوچھتے ہیں کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے - مگر تعبیر کون بتائے - تعلیم یافتہ جماعت تو مجنون خیال کر کے اُن کی بات بھی نہ سُنے گی ہاں چند پرانے وقت کے بڈھے باقی ہیں - جن پر زمانے نے اثر نہیں کیا - اور اُمید

ہوتی ہے کہ اگر یہ تعبیر کہین گے تو اچھی ہوگی۔ مگر اُن مین باہم ایسے اختلافات پڑے ہوے ہین کہ ہماری قسمت کا فیصلہ کرنے وقت یہ تو درکنار کہ ہمدردی اور غمگساری سے کام لین آپس مین لڑے مرتے ہین۔ ایک کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ۔ ایک امید دلاتا ہے تو دوسرا مایوس کردیتا ہے۔ ایک ہنسا دیتا ہے تو دوسرا رُلاتا ہے۔

آہ! اپنا خواب اس مقدس گروہ کے سامنے ہم لے کے گئے۔ اور ہزار منت وسماجت سب کے سامنے اپنی مصیبت اور اپنی واجب الرحم حالت کو ظاہر کیا۔ مگر اُنھون نے اپنی باہمی لڑائی اور رنجش کو اس حد تک طول دیا کہ ہمیں اپنا خواب بھی برا معلوم ہونے لگا اور دنیا سے جی ہٹ گیا۔ افسوس ان بزرگون کو ہماری بیکسی اور ہماری مظلومی پر بھی ترس نہ آیا۔ چاہے کسی کو اپنا خواب راس آیا ہو۔ ہمین تو اپنا خواب پریشان معلوم ہونے لگا۔ آہ! کیا خوب کہا ہے کسی نے

شد پریشان خواب من از کثرتِ تعبیرہا

افسوس ان مقتدایان اسلام کے آپس کے فساد نے ہمارے اُس خواب عشرت کو پریشان تو کر ہی دیا ہے، مگر اب ڈر ہے کہ کہین ایسا نہ ہو وہ خواب کا سمان ہمارے ذہن سے بھی اُتر جائے۔ مدت کی بات کِسے یاد رہی ہے جو ہمیں یاد رہے گی۔

صبر

پہلی صدی ہجری کا ایک مسلمان عربی سوداگر کچھ اسباب لے مصر کے بازارون سے گذر رہا تھا۔ اگرچہ اُسے ابتداے اسلام کا جوش اُس کے ریگستانی پیارے وطن اور نظر مین کھُبے ہوے کھجورون کے جھنڈون کی طرف کھینچ رہا تھا۔ مگر دین کی بیش بہا تعلیم اکتساب حبیب اللہ ترقی کی سیڑھیون پر قدم بڑھانے کے لیے جاتی تھی۔ آرزوؤن کا میابی کا عجب سبزباغ اُسے یہ دکھا رہی تھین۔ دل مین کہتا جاتا تھا "یہ اسباب اس قیمت پر بکے گا۔ اور میرے حوصلے سے زیادہ نفع ہوگا۔" چونکہ اطراف شام سے آرہا تھا لہذا خیال تھا کہ شام کی نادر اشیا مصر مین قدر کے ساتھ لی جائین گی۔ امراے مصر بڑے قدردان ہین۔ مجھے بخوبی اس امر کا موقع ملیگا کہ اس مہینا پورے کیے آنہا ہی کرون جو کچھ

ے لاکر دینے میں لگا دیا ہے۔ میرا یہ دولت ملک اور میری مفلس قوم اور میرا
یب دین اس روپیے سے بڑی تقویت پائے گا"۔ اس پُرجوش اور جان نثار
ر سوداگر کو کیا معلوم تھا کہ آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ مگر اتنا معلوم ہوتا ہے کہ میدان
و عمل میں ہر حیثیت سے اپنے تئین بامراد ہی تصور کرتا تھا۔ یقین تھا کہ اس
فر تجارت کا روپیہ اسلام کے بہت کچھ کام آئے گا۔ ہمارا سراپا اُمید تاجر
لی بائی و بیچا تا اُس چھوٹے قافلہ کے ساتھ چلا جاتا تھا جو کبھی مصری پہاڑون
گھاٹیون سے نکلتا تھا اور کبھی اونچے ٹیلون کی آڑ مین آ جاتا تھا۔
قوم قبط کا کوئی نصرانی رئیس ایک پہاڑی گانوُن میں رہتا تھا۔ خدا جانے
کرا سے معلوم ہوگیا کہ جو نیا دین جزیرہ نمائے عرب مین نکلا ہے اُسی کا ایک پُرجوش
رو اس قافلے مین بھی ہے۔ اُس پُرفتن زمانے مین جسے اسلامی تہذیب نے
ی رونق نہین دی تھی کسی با اختیار رئیس کے غضبناک ہو جانے کو اتنا اشارہ
فی تھا۔ اپنے حبشی غلامون کو ہمراہ لیکر روانہ ہوا اور اُس چھوٹے قافلہ پر بلا ے
مان کی طرح آ گرا۔ قافلے کے اور لوگون کا تو خدا جانے کیا حشر ہوا مگر مورخ کی
ی سے اس قدر پتہ لگتا ہے کہ سب مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور وہ غریب
سلمان سوداگر دشمنون کے پنجے مین گرفتار رہا۔ موجودہ مورخین جو تعصب کا
ا الزام مسلمانون پادشاہون اور مسلمان رئیسون ہی کے سر پر رکھے دیتے ہین۔
ب ذرا قبطی کی آیندہ حالت دیکھ کر شرمائین اور اپنی زہرآلود اور نفاق انگیز
یرون کو واپس لین۔
یہ مسلمان زنجیرون مین جکڑ کر اُن پہاڑون کے درمیان بٹھا دیا گیا۔ اُسکی
بیت اونچے مصری ٹیلون سے ٹکرایا کرتی تھین جو چارون طرف گھیرے ہوے
ھے۔ روز بڑے بڑے جانزدہ بازون کے ساتھ دین عیسوی اُسکے سامنے پیش کیا جاتا
ا مگر وہ اپنے برگزیدہ دین سے دست بردار نہ ہوتا تھا۔ جسکی سزا مین یہ معمولی
روائی روز برتی جاتی تھی کہ ایک پتلا جو پیغمبر عرب کی جانب منسوب کیا گیا تھا۔
ہ سامنے لایا جاتا تھا اور بڑی بے عزتیون کے ساتھ دکھایا جاتا تھا۔ اس پر بھی
و متعصبون کا دل نہین ٹھنڈا ہوتا تھا۔ روز سیکڑون کوڑے اُس مستقل مزاج

دینداری پر پڑ جاتے تھے اور وہ خدا کا نام لے کے [illegible] پاتا
تھا - الغرض تقریباً پچیس تیس برس تک [illegible]
پڑتے تھے اور وہ چلا چلا کے اُس ایک بچانے والے کو پکارتا تھا جو ہر مظلوم
کی آواز سُن لیا کرتا ہے - انصاف کیجیے تو یہ صبر تھوڑا نہ تھا - مصیبت گھڑی بھر
کی بھی بہت ہوتی ہے - یہ تو تیس برس ہے - خدا جانے اُس بہادر نے کس قیامت
کا مضبوط دل پایا تھا کہ یہ روز روز کا سوہان روح جھیل گیا - آخر خدا نے اُس کی
دلسوز آواز سُن لی - شاید یہی سبب تھا کہ مسلمانوں کو ملک شام فتح کرنے سے
بہت جلد فراغت مل گئی کہ اُس ملک میں جھنڈا گاڑ کے اُنکی فوج کا ایک حصہ
روم کی طرف بڑھا اور دوسرا گروہ مصر کو روانہ ہوا - اسکندریہ کو فتح کر کے جب
عمرو بن العاص کے ساتھ والے جان نثاران اسلام آگے بڑھے تو خالد بھی اُن کی
مدد کو آ پہونچے - اگرچہ ملک مصر کی فتح عمرو بن العاص کی طرف منسوب ہے مگر
اُس حرمان نصیب مبتلائے رنج و محن کو خالد ہی کی تلوار نے نجات دلوائی -

خالد جب سرزمین مصر میں داخل ہوے تو کسی گرجے کے چند راہبوں نے جو
شام سے بھاگ کے یہاں آئے تھے پہچانا - فوراً سمجھ گئے کہ اب ملک مصر بھی چند
روز بعد اُنکے قبضے میں ہوگا - باہم مشورہ کر کے اُنھوں نے اپنے حفظ جان کے
لیے خالد سے معاہدہ کر کے اُنکی اطاعت قبول کی - انھیں لوگوں میں سے ایک
شخص نے بڑھ کر خالد سے کہا میں تم سے ایک ایسا واقعہ بیان کرتا ہوں جسے
دریافت کر کے تم بہت خوش ہوگے - اتنا کہہ کے اُس شخص نے اُس محبوس کا حال
بیان کرنا شروع کیا جو تیس برس سے زمانے کو اپنی مستقل مزاجی کا امتحان دے
رہا تھا - اور کچھ ایسے دلگداز و درد انگیز پیرایے میں بیان کیا کہ خالد اور اُنکے ہمراہیوں
کے بے اختیار آنسو نکل پڑے - الغرض وہ شخص رہبر ہوا اور بہادران اسلام اُسکے
پیچھے روانہ ہوے - تھوڑی ہی مسافت طے کی ہوگی کہ اُس کانون میں پہونچ گئے
جہاں ایک خدا پرست زیر ظلم ہو رہا تھا -

اتفاقاً خالد عین اُسوقت پہونچے جب وہ ظالم نصرانی اپنے بیکس قیدی کے
سر پہ تلوار لیے کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا "تیرے ہی سبب سے یہ نوبت کہ مسلمانوں کے

تھوڑے قدم اس سرزمین پر بھی آ گئے۔ تو اپنے دین سے نہ باز آتا تھا نہ آیا۔ اب اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ قبل اسکے کہ تیرے ساتھی تیری حمایت کو آئین میں تجھے مار ڈالون۔ بس اسی تدبیر سے تو اپنی سزا کو پہونچ سکتا ہے۔" یہ کہہ کے ادھر اُس نے اپنی تلوار کو حرکت دی اور اُدھر اُس مظلوم مسلمان نے زور سے خدا کو پکارا۔ اور تیسری طرف سے خالد اپنی تلوار لیے ظالم کے سر پر آ پہونچے۔ جس گھڑی یہ تینون واقعے برابر ایک ہی ساتھ ہوے وہ عجب سین تھا۔ ایسے ہی واقعات امیدون کو بڑی تسلی دلایا کرتے ہین۔ غور کرو تو ہم بھی اپنے لیے اس سے بہت کچھ نتائج نکال سکتے ہین۔ دنیا کی کوئی ناامیدی ہو وہ جہالت اور بے تہذیبی ہی سہی اُسکو اس واقعے سے بڑی تسلی ہو سکتی ہے۔ الغرض وہ ظالم قتل کر دیا گیا۔ اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مسلمان قبیلۂ طے کا ایک آفت زدہ سوداگر تھا۔

اگرچہ ہمین اس قسم کے بہت سے واقعات مل سکتے ہین مگر یہ واقعہ چونکہ غیر معروف اور کسی قدر نیا ہے اس لیے غالباً دلون پر زیادہ اثر کر گیا ہو گا۔ جن لوگون نے اس جفاکش مظلوم کے قصے کو ابھی دیکھا ہے کوئی اُنکے دل ٹٹول کر دیکھے تو معلوم ہو کہ ایک غریب اور بیکس کی مظلومانہ زندگی دلون پر کس قدر اثر کر جاتی ہے۔ ہاے جب ہم ان مختلف باتون کا خیال کرتے ہین کہ ایک وہ دل تھا جس نے اتنی بڑی مصیبت کا تحمل کیا۔ اور ایک وہ دل تھا جو ایسے ظلم کیا کرتا تھا۔ ایک وہ دل ہے جو یہ تذکرہ سن کے بیتاب ہو جاتا ہے اور ایک وہ بھی دل ہے جو ان سب باتون کو سنتا ہے مگر اُس پر کچھ اثر نہین ہوتا۔ تو ہمین حیرت ہوتی ہے۔ بلکہ ہماری بیتابی کو ایک درجہ اور ترقی ہو جاتی ہے۔ آنسو تو کیا پونچھتے ہین مگر ذرا صبر آ جاتا ہے کہ قومی ادبار پر جہان اکثر لوگون کے عیش مین خلل پڑ گیا ہے وہان بہتون کو کچھ پروا بھی نہین۔ خلاصہ یہ کہ جو بات سب کے دل کو لگی ہو اُس مین البتہ کوئی مفید کارروائی ہو سکتی ہے۔ ہمارے قومی ادبار کا جانکاہ اثر ابھی بہتون پر نہین بھی پڑا ہے۔ ہاے افسوس ہماری عقل کام ہی نہین کرتی کہ اس سے زیادہ وہ کون سا ادبار ہو گا جس کا بعض لوگون کو انتظار ہے۔ شاید اسی لیے اکثر نوجوان اپنا کیرکٹر روز بروز بگاڑتے جاتے ہین۔ اور وہ زمانہ بہت جلد آ جائے جب اسلام کے ادبار کا

سب لوگون کو یقین آجائے گا۔

ایک اگلا جادو بیان فارسی سخن گو عجب دلدہی کے لہجے مین صبر کی نسبت کہہ گیا ہے ع "صبر تلخست ولیکن بر شیرین دارد" لیکن سچ تو یون ہے کہ اُس شیرینی کی امید مین تلخیون کا متحمل ہونا بڑا سخت کام ہے۔ ہم اتنا تو کسی کو نہین پاتے کہ جیسے حالات مورخین بیان کر گئے ہین اُنکو برداشت کر سکے۔ اور جو برداشت کر گئے خدا جانے کس دل و دماغ کے لوگ تھے۔ صبر کے جذبات قیامت کے ہوتے ہین۔ ایک کشش ہوتی ہے کہ زمانے بھر کو اپنی طرف کھینچ لیا کرتی ہے۔ ایک بلاکش صابر کی صورت پر ایسے آثار پائے جاتے ہین کہ انھین دیکھ کر ضبط کرنا انسان کا کام نہین۔ جس چہرے پر صبر نے ایک پُر حسرت مایوسی اور بےبسی کا روغن پھیر دیا ہے اُس پر نظر پڑتے ہی دل ہاتھون سے نکل جاتا ہے۔ صبر کرنے والے اپنے اطمینان سے بیٹھے رہتے ہین مگر جو کچھ گذرتی ہے دُور سے دیکھنے والون پر گذرتی ہے۔

دیکھو وہ حرمان نصیب دلدادہ یار کس [illegible] استقلال اور کس ضبط و اطمینان سے کنج تنہائی مین بیٹھا ہے۔ ٹھنڈی سانس ایک پُرجوش حرکت کے ساتھ سینے سے چلتی ہے اور مُنہ کے پاس پہونچ کر یک بیک غائب ہو جاتی ہے۔ کسی بے وفا کو تو اس پر ترس نہین آتا۔ مگر ایسی حسرت مند صورت ہے کہ دیکھنے والے بے اختیار کلیجا پکڑ لیتے ہین۔ غور سے دیکھو تو وہ اطمینان سے بیٹھا ہے۔ مگر جو کچھ صدمہ ہوتا ہے وہ اُن لوگون کو جو اُسکی پریشان صورت دیکھ رہے ہین۔ آزردہ عورت اپنے دنیا سے رخصت ہو جانے والے شوہر کو روتے روتے تھک کے بیٹھ رہی اب اُس کے بشرے سے ایک کامل سنجیدگی اور سکوت کے آثار پائے جاتے ہین لیکن خدا جانے اُسپر کس قیامت کی مایوسی برس رہی ہے کہ [illegible] کا دامن صبر چاک ہو جاتا ہے۔ سب تو سب یہ دنیا سے سدھار جانے والے جنھین اپنی حرکات و سکنات پر ذرا اختیار نہین۔ چونکہ لاکھون من زمین خاک مین ملائے گئے ہین اس لیے آنکھین نہین جیسے کس قیامت کی یاس اور حسرت کے ساتھ صبر کا محشر خیز سکوت دکھا رہے ہین کہ حلقۂ ماتم مین بیٹھنے والی سوگوارون کی

بنتا ہے۔ وہ روز بروز ترقی کر رہا ہے۔

نا امیدون کے گروہ کو ہمیشہ ہماری طرف سے جو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ صبر کرو خدا فریادرس ہے۔ وہ اس نصیحت پر عمل کرنے والون کو بے صبر کر دیتی ہے۔ اپنی تجربہ کار نظر کو جہان تک بڑھائیے یہی معلوم ہوگا کہ جہان کوئی صبر کرنے والا اپنے رنج و الم کو ایک دلگداز سکوت پر ٹال دیتا ہے وہان سیاہیون کو تاب نہین رہتی۔ مگر حیرت اس بات کی ہے کہ قومی عزت کا صدمہ اُٹھانے والون مین سے ہزارون ایک مایوس صورت بنائے بیٹھے ہین مگر اُن پر ایک کو بھی ترس نہین آتا۔

چند مختصر خیالات

آج کل مسلمانون مین تبلیغ دین کا خیال جوش پکڑ رہا ہے۔ دہلی اور دیگر مقامات کی تبلیغی اسلامی انجمنون کے علاوہ ندوہ نے بھی اس طرف توجہ کی ہے۔ لیکن اس جوش کا اگر یہی قدر نتیجہ ہوا کہ مناظرہ اور رد و قدح کو ترقی دی جائے اور ہر جگہ مناظرہ کرنے والے واعظین بھیجے جائین تو اسلام کو اس سے ضرر پہونچے گا۔ بحث مباحثہ کو ایک ضمنی حیثیت سے رہنا چاہیے۔ کیونکہ صرف مناظرہ سے دنیا مین آج تک کسی مذہب کو کامیابی نہین حاصل ہوئی ہے۔

ہندوستان مین عوام الناس کا ایک بہت ہی ادنیٰ طبقہ ہے۔ جیسے ڈھیر کوری۔ چمار وغیرہ۔ ان لوگون کو ہندوون نے شودر بتا کے نہایت ذلیل قرار دیا اور مردم شماری مین جب اُنھین اپنے گروہ مین لے لیتے ہین مگر در اصل وہ لوگ اُنھین دنیا کی تمام قومون ہی نہین تمام چیزون سے زیادہ ناپاک سمجھتے ہین۔ مسلمانون نے بھی ہندوون کی تقلید مین ان لوگون کو ویسا ہی ذلیل قرار دیا۔ اور گذشتہ ہزارہا سال کے زمانے مین ان لوگون کی یہ حالت رہی ہے کہ ہر سوسائٹی اُنھین چھوڑے ہوے ہے۔ ان کے لیے ترقی کے تمام دروازے مسدود ہین۔ اور خود اُن کو باور کرا دیا گیا تھا کہ وہ اپنی حد سے آگے قدم نہین بڑھا سکتے۔ عیسائی مشنریون کو جب شریف اور پڑھے لکھے ہندو مسلمانون کے عیسائی بنانے مین

زیادہ کامیابی نہ ہوئی تو اُنھوں نے ان اچھوتوں کی جانب توجہ کی۔ اپنے مذہب مین
داخل کرکے اُنھین ترقی دلانا شروع کی۔ اُن کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مدارس
کھولے۔ اور اُنکو یقین دلادیا کہ انکی اعانت سے ہندو اور مسلمان دونون عاجز ہین اور
صرف مسیحیت اُنکے لیے ترقی کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ اسکے ساتھ مسیحیت اُنکی
نظر مین اتنی آسان دکھادی گئی کہ وہ بغیر اپنی کسی رسم کے چھوڑے۔ بغیر وضع
وحالت کے بدلے۔ اور بغیر اسکے کہ اُنھین اپنی کوئی بات بھی چھوڑنی پڑے وہ
عیسائی ہوسکتے ہین۔ ان دو باتون کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ان ادنےٰ اقوام کے
لوگ جوق در جوق عیسائی ہوتے چلے جاتے ہین۔ اور ساتھ ہی اپنا سوشل پوزیشن
بھی بڑھا رہے ہین۔ اس طریقے سے مسیحیت نے ہندوستان کی ساری زمین
کے نیچے گویا باروت بچھا رکھی ہے جو عنقریب مشتعل ہوگی۔ اور یکایک نظر آئیگا
کہ صرف چند مدعیان شرافت تو ہندو مسلمان ہین۔ باقی ہندوستان کی ساری عام
رعایا عیسائی ہے اور اُنھین کے ہاتھ مین مختاری ہے۔

ہندو پولٹیکل حقوق کے لیے لڑ رہے ہین۔ ایجیٹیشن کا زور دکھا دکھا کے
باغی و سرکش بنے جاتے ہین۔ بیشک اُنھون نے ان حقوق کے حاصل کرنے
کے لیے اپنا بہت سا روپیہ اور بہت جانین قربان کی ہین اور ہم مانے لیتے ہین کہ
یہ مطلوبہ حقوق اُنکو مل بھی جائین گے۔ لیکن ملنے کے بعد جب مختاری عیسائیون
کی ہوگی تو وہ سب حقوق اُنھین کے ہاتھ مین چلے جائین گے۔ اور وہ اسی طرح
غل مچاتے رہ جائین گے جیسے آج کل مسلمان غل مچا رہے ہین کہ ہمین علحدہ
حقوق دیے جائین ورنہ غیرون کی مختاری ہمین تباہ کر ڈالے گی۔ عیسائی نہایت
متانت۔ خاموشی اور اطمینان سے ان تحریکون کو دیکھ رہے ہین کیونکہ جانتے
ہین کہ یہ پکی پکائی ہانڈی ہمارے ہی ہاتھ مین آنے والی ہے۔

اگر اپنی فلاح چاہتے ہین تو ہندو و مسلمان دونون کو کوشش کرنی چاہیے
کہ ذات اور چھوت کے جھگڑے مٹا کے ان ادنےٰ طبقے والون کو اپنے گروہ مین

ہیں۔ اور انھیں مسیحی ہونے سے روکیں۔ ورنہ جو وقت آنے والا ہے اس وقت نہ یہ مذہبی مناظرے کام آئیں گے نہ یہ سوشیل اصلاحیں فائدہ پہنچائیں گی۔ اور نہ ان پولٹیکل تحریکوں سے کچھ [illegible]

مسلمان مسیحیوں کے بمقابل افریقہ میں کامیاب ہیں (جس پر مشنریوں کی دنیا میں ہل چل پڑی ہے) اور ہندوستان میں ناکام۔ ہماری انجمن تبلیغ اسلام کو پہلے اس راز کا پتہ لگانا چاہیے کہ وہاں کیوں کامیابی ہے اور یہاں کیوں ناکامی؟ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں رہ کے ہندوؤں کے ذاتوں کی تفریق سیکھ لی ہے۔ اور اخوت اسلامی کو ترک کرکے ایک دوسرے کو بلحاظ ذات اور قومیت اپنے سے ذلیل وحقیر تصور کرنے لگے ہیں۔ ایک شریف سے شریف ہندو بھی اگر مسلمان ہو جائے تو اُسے کسی شریف گھرانے کی بیٹی نہیں مل سکتی۔ شرفا درکنار کوئی ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی معزز سے معزز نومسلم کو نہ اپنی برادری میں لیگا اور نہ اپنی بیٹی دے گا۔ آپ جب لوگوں کو مسلمان بنا کے انکی برادری سے چھڑاتے ہیں اور اپنی برادری میں نہیں لیتے۔ پھر کسی کو مسلمان ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یہی کمی افریقہ کے واعظین اسلام میں نہیں اور ہندوستان کے واعظین میں ہے

اگر ہماری انجمنوں کو سچی محبت اور تبلیغ دین کا شوق ہے تو پہلے مسلمانوں کی اس قومی تنگ خیالی اور اس عصبیت جاہلیت کو توڑیں۔ نومسلموں کو اسی طرح اپنی برادری میں لیں جس طرح صحابہ کرامؓ لیا کرتے تھے۔ پھر اسکے بعد دیگر مذاہب کے لوگوں کو اپنے دین کی طرف بلائیں اور دین کے پیش کرنے سے پہلے اپنی اخوت دینی کو پیش کریں اور کہیں کہ مسلمان ہوتے ہی ہم تم ایک ہیں ہماری بیٹی تم لو اور اپنی بیٹی ہم کو دو۔ دینداری کی یہ سچی وضع اختیار کرنے کرلے بعد آپ تبلیغ دین کریں۔ اور دیکھ لیں کہ دنیا کا کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اور بغیر اس کے صرف منحرف ہے ہمارے خیال میں ہو۔۔۔
اور نقصان پہونچے کوئی فائدہ نہ ہوگا - اور ہم اس تحریک کے سخت مخالف ہیں -
سیاسیات اسلام میں تو وہی چار داخل ہونگے مگر فساد کا بازار ہر جگہ گرم ہو جائے گا -

---

ہمارا جدید ناول

ہم نے ابھی جو ناول شروع کیا ہے یہ ایک بہت ہی دلچسپ و حیرت انگیز امر کو ثابت کرے گا - اگرچہ ہم نے سرزمین اندلس میں سین کھینچا ہے - اور کوشش کی ہے کہ اُس عہد کے مسیحی اور اسلامی تعلقات کو دکھائیں - لیکن اسکے ساتھ خاص طور پر اُس زمانے کے گرجوں اور کلیساؤں کی سچی تصویر نظر آئے گی - یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ اسلامی حکومت میں مسیحیوں کو کس حد تک آزادی حاصل تھی - مگر اسکے ساتھ اُنکی متعصبانہ کوششیں کس قدر ذلیل اور شرمناک ہوتی تھی -

دین عیسوی کے سرگروہ ہمیشہ دعوے کرتے رہے کہ اُنکے مذہب میں روحانیت کی تعلیم سب سے زیادہ دی گئی ہے - بلکہ اس بارۂ خاص میں وہ بجا طور تمام مذاہب کو اپنے سے ادنیٰ درجے پر خیال کرتے ہیں - حتیٰ کہ کبھی کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اور لوگ اُن روحانی رموز کو سمجھ ہی نہیں سکتے جس کی تلقین عیسائیت کے ذریعہ سے لوگوں کو کی جاتی ہے - یہی وجہ تھی کہ قدیمی چرچ جس سے رومن کیتھلک مراد ہے - اُس میں انتہا سے زیادہ جوگ کے اصول برتے جاتے تھے تارک الدنیا ہونا اور لذات دنیوی کو چھوڑ دینا اس عہد کے گرجوں کا عام سبق تھا یہ سبق صرف راہبوں ہی کو نہیں دیا جاتا تھا جو بالوں کے موٹے جھوٹے کپڑے پہنتے تھے - اور بالکل فقیرانہ وضع میں رہا کرتے تھے - بلکہ اس سبق نے نا کتخدا عورتوں کی بھی زندگی خراب کی جو بچپن سے گرجے کی نذر کر دی جاتی تھیں - اور پھر زندگی بھر کے لیے انسانیت کے نیچرل حظوظ سے محروم کر دی جاتی تھیں چنانچہ رومن کیتھولک چرچ آج تک ان شرمناک باتوں کا مرکز بنا ہوا ہے - اس زمانے میں اسلام کو دیکھ کے اور اصول اسلامیہ سے سبق لے کے پروٹسٹنٹ

مذہب [illegible] جس نے ان باتون مین بہت کچھ اصلاح کر دی۔ مگر پھر
آج تک پراٹسٹنٹ پادریون مین بھی باقی ہے۔ کہ روحانی مسائل کی تعلیم مین
عیسوی سے زیادہ کوئی نہین کر سکتا۔

لیکن اگر روحانیت اور رہبانیت یعنی جوگ ہی مذہب کی خوبیون کے
جانچنے کا معیار ہو سکتے ہین تو ہم کہہ سکتے ہین کہ ہندو مذہب سب سے اچھا مذہب
ہے۔ اس لیے کہ مسائل تصوف جس خوبی سے ہندوون کی کتابون مین بیان
کیے گئے ہین اور کہین کم نظر آسکتے ہین۔ اور پھر بھی اگر نظر آسکتے ہین تو
مسلمان متصوفین کی بے بہا کتابون مین۔ عیسائیت نے اگر سچ پوچھیے تو
آج تک تصوف کے نازک اور دقیق رموز کو سمجھا ہی نہین۔ دین عیسوی کی روحانیت
صرف عہد نامۂ جدید کی چند آیتون پر محدود ہے۔ جن کے ذریعہ سے انسان
کی نیت اور ارادون پر پہرے بٹھوائے گئے ہین۔ بتایا گیا ہے کہ اگر تم کسی عورت
کو بری نگاہ سے دیکھو تو آنکھ نکال کے پھینک دو۔ اگر تم کسی ناجائز کام کے
لیے ہاتھ بڑھاؤ تو اپنا ہاتھ کاٹ کے پھینک دو۔ اگر تمھارے ایک گال پر کوئی
تھپڑ مارے تو اپنا دوسرا گال اُس کے سامنے کر دو۔ اگر کوئی تم کو ایک میل
اپنے ساتھ بیگار پکڑ کے لیجانا چاہے تو تم دو میل اُسکے ساتھ چلے جاؤ۔ کوئی
تمھین گالیان دے تو تم اُسکو دعائین دو۔ کوئی تم پر لعنت کرے تو تم اُسکے لیے
رحمت کی دعا کرو۔ اگلے دنون کہا گیا تھا کہ کوئی کسی کو مار ڈالے تو اُسپر قصاص
جاری ہوگی۔ مین کہتا ہون کہ نہین کوئی کسی کو غصہ کی نگاہ سے دیکھے گا تو اُسپر
بھی قصاص جاری ہونا چاہیے۔ اگلے دنون بتایا گیا تھا کہ زنا کروگے تو گنہگار
ہوگے۔ مین کہتا ہون اگر کوئی کسی عورت کو شہوانی نظر سے دیکھوگے تو گنہگار ہوگے۔
غرض اسی قسم کی باتین ہین جن کی تعلیم دین عیسوی مین کی گئی ہے۔ اور یہی وہ
روحانیات ہین جن پر فخر کیا جاتا ہے۔ لیکن ہم کہتے ہین کہ زہد و اتقا کی تو
وہ بات ہے کہ کوئی صاحب شریعت پیغمبر جو ایک عالم کی رہبری کے لیے آیا ہو
وہ ایسی باتین کبھی نہ کہے گا۔ یہ تو وہ احکام ہین جن کی تعمیل عقلاً محال ہے۔
شاید جناب مسیح کے وقت سے آج تک ان باتون پر ایک مسیحی بھی عمل نہ کر سکا

ہو گا۔ ہمین شک ہے کہ یہ باتین دراصل جناب مسیح کی فرمائی ہوئی ہین یا پادریون کی ملحقات مین سے ہین۔ اور قیاس یہی چاہتا ہے کہ بہ حیثیت نبوت جناب مسیح نے ایسے احکام ہرگز نہ دیے ہون گے۔

بہر حال ان نصائح کی بنا پر مسیحیون کو دعوے ہے کہ وہ روحانی دنیا کے بادشاہ ہین۔ مگر اس بادشاہت کے ساتھ ترویج دین کے لیے اُنھون نے کس قسم کی کوششین کین اور اپنے چال وچلن کو کیسا دکھایا اس کا ثبوت [illegible] اسلام نے اگرچہ اتقا کے بڑے سخت مدارج بتائے بلکہ یہان تک [illegible] جب تک انسان کے تمام جذبات دلی توحید کے تابع نہ ہو جائین [illegible] اُسکا ایمان کامل نہیں ہے۔ لیکن وہ عام اعتقاد جس کی پابندی کا ہر شخص مکلف کیا ہے یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نیت کے بارے مین کسی سے بازپرس نہ کرے گا۔ جو باز پرس ہو گی صرف اعمال کی کرنا پڑیگی۔ یعنی اُن باتون کی جنکا وقوع ہو جائے۔ اسلام کسی سے یہ نہین کہتا کہ تم کو کوئی مارے یا گالیان دے تو تم چپ رہو اور دعا دو یا دعائین دینے لگو۔ بلکہ وہ تو سیدھا سادہ اور بالکل قرین قیاس حکم دیتا ہے کہ تمھارے ساتھ کوئی بُرائی کرے تو اگر تم معاف کر دو تو بہت اچھا ہے خدا تمکو اسکا بدلہ دیگا۔ اور اگر نہ جی چاہے تو اُسی طرح اُس سے بدلہ لے لو۔

مسلمان اس اصول پر ہمیشہ استبازی کے ساتھ عمل کرتے رہے۔ انھون نے کبھی اس قسم کے دغا وفریب سے [illegible] [illegible] نہین لیا جو باوجود ان دعوے روحانیت کے ہمیشہ مسیحیون کا دستور العمل رہے اور آج تک ہین۔

اس ناول مین لوگ اس عہد کے عیسائی مذہب کی سچی تصویر دیکھین [illegible] معلوم ہوگا کہ جن قوت عیسائی عربون کی تلوار کے آگے سر جھکا رہے تھے [illegible] دونون سر جھکانے ہی جھکانے وہ کیسی دغا وفریب کی [illegible] کرتے رہتے تھے ایک طرف تو مسیحیون کا جاہلانہ شوق شہادت نظر آنے گا جو [illegible] خودکشی کا ایک تعصب انگیز نمونہ تھا۔ دوسری طرف یہ دکھائی دے گا [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] شامت ہوئی اور جب سلطان شعبانی کے گھر سے نکل کے وہ کس قدر
ذلتون مین پڑ لی اور بداخلاقیون نے اُس بگینا کو کس جرأت کے ساتھ اپنا شکار
بنایا - اور پھر اسکے ساتھ ہی ساتھ زاہدون اور متون کے چال چلن کا بالکل صحیح نقشہ
کھایا گیا ہے -

ہم یہ بھی کہ سکتے ہین کہ اس واقعہ کا اصلی پلاٹ ہم کو انگریزی مصنفون
کے بیان سے ملا ہے - اور جو کچھ ہم لکھ رہے ہین سوا خاص باتون کے سب مسیحیون
ہی کے بیان کے مطابق لکھا گیا ہے - اسلامی علما اور سپہ سالارون کے نام
اور حالات بھی ہم نے انگریزی ہی سے نکالے ہین - بہت کم ایسی باتین ہین
جن کے لیے ہم کو اسلامی کتابون کی ورق گردانی کرنا پڑی ہو -

سادگی

ہر چیز جب تک صرف نیچر کی صناعیون کا نمونہ ہے اور زمانے کی کاریگریون
نے تکلف کا رنگ نہیں چڑھایا ہے - عجب بے چین کر دینے والا اثر رکھتی ہے دنیا
اپنی اصلیت کے لحاظ سے بڑی موثر چیز تھی مگر افسوس زمانے کے انقلابات نے
رنگ آمیزیان کرتے کرتے اسے بھدا کر ڈالا - نسل انسانی کے پہلے شخص نے
دنیا کو جب خوشنما صورت مین پایا ہوگا - افسوس اُس کے دل کے جذبات ہمین
نہین معلوم اور ہمارے ذہن مین بھی نہین آسکتا کہ اُس نے کس کس چیز
سے کیا کیا لطف اُٹھایا ہوگا - زمانے کے مزاج مین خدا جانے کس قیامت
کی شہرت پسندی ہے کہ صرف اپنی یادگارین قائم کرنے کے لیے دنیا کی صورت
بدلے دیتا ہے اور بدل دی - زمانے نے سیکڑون پہلو بدلے اور ہر مرتبہ جبھی
پہلو بدلا ہے جب پہلے پہلو کی کوئی نہ کوئی یادگار قائم کر لی - دنیا پر ہزارون
ہی طرح کے رنگ چڑھائے گئے اور زمین کے خوشنما چہرے پر لاکھون ہی قسم
کے زیور سجے گئے مگر پھر بھی جب کوئی مقام ان مصنوعی تکلفون سے خالی
نظر آجاتا ہے طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے -

... شورانگیز کوہستان اور وہ بلا خیز بیابان جہان زمانے کی کاریگری کے

رئیس یعنی دنیادار لوگ شکار سے جا سکتے ہین - گر فطرت پسندی بھولے سے بھی
اُن مقامون کی ہوا کھاؤ تو معلوم ہو کہ قدرت نے غریب بھول چوک کر آ نکلنے
والون کے لیے کیسا کچھ سامان دلچسپی جمع کر رکھا ہے جو یہان کبھی خواب مین
نظر نہین آتا - ہندو میتھالوجی (دیو مالی) کا یہ بیان کس قدر قرین انصاف
معلوم ہوتا ہے کہ "جنت ہمالیہ کی دشوار گذار چوٹیون پر ہے" - جن کوہستانون
پر لوگون کا گذر ہوا ہے وہان کی کیفیت اُن لوگون کو جو نیچرل فنامنا (مظاہر
فطرت) کے عاشق ہین زندگی بھر نہین بھولتی - جب اُن پہاڑون کا خیال آتا
وہ پہاڑ جنکو ہم نے نہین دیکھا ہے ٹھیک جنت کہے جانے کے قابل ہون گے - یہ
کیون؟ صرف اس سبب سے کہ انسانی تکلف کاریگریون سے بالکل پاک و صاف
ہین - عموماً وہ حسین نہایت پُر فریب ہوتے ہین جن کی آرائستگی مین قدرت کے
سوا دوسرے کا ہاتھ نہین لگا ہے - مسافر سفر کی سخت سے سخت صعوبتین جھیل کر
اُس مقام پر پہونچتا ہے جہان اُسے اور لوگون کے نقش قدم نہین نظر آتے اور
گمراہی بھٹکا بھٹکا کر وہان تک پہونچاتی ہے - تکلیف اور مصیبت اُسکا ہاتھ
پکڑ کے کھینچ لے جاتی ہے اور اُس مقام پر کھڑا کر دیتی ہے جسکے دیکھنے کو عموماً
قدرتی امن پسندون کی آنکھین ترسا کرتی ہین - وہ شوق کے ساتھ ملی ہوئی
حیرت سے دیکھتا ہے کہ میں ایک پہاڑ پر کھڑا ہون جسکی سطح سبزہ خودرو سے
ڈھکی ہوئی ہے - جا بجا پاک و صاف چشمے پہاڑ کے نشیبون کو ڈھونڈھتے ہو
نیچے کی طرف بہتے چلے جاتے ہین - وہ دیکھتا ہے کہ یہ چشمے نہایت شفاف ہین گر جو جو
آگے بڑھتے ہین دنیا کی کثافتین ملا کرتی جاتی ہین - دل مین خیال کرتا ہے کہ یہ
نہرین اُسی دنیا کو جا رہی ہین جسے مین چھوڑ آیا ہون - افسوس وہان کے لوگ
انھین ایسا صاف اور پاکیزہ نہ پائین گے جیسا کہ مین دیکھ آیا ہون - مسافر اپنی
چھوڑی ہوئی سرزمین کو یاد کرتے ہی وہان کے لوگون کو یاد کرتا ہے اور سواد وطن
کا خیال کر کے قصد کرتا ہے کہ ان نہرون کے ذریعے سے یہی خبر آبادی دنیا تک پہونچا
گر وہان کا حسن اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے - وہ بیتاب ہو کر پھر ان کیفیتون
کو دیکھنے لگتا ہے جو اُسے سامنے نظر آ رہی ہین - خود رو پھول مختلف رنگون ۔

[illegible] باغ نیچرل [illegible] غریبون کو بڑھا رہے ہین۔ ہر طرح کی جھاڑیان اور
قسم قسم کے پودے دور دور تک جانے والی نظر کو عجب دلچسپی کے ساتھ درمیان
ہی مین روک لیتے ہین۔ آزاد طیور اُڑتے پھرتے ہین۔ اور وہ چوپائے چر رہے
ہین جنھون نے آج تک سوئٹزرلینڈ کے پہاڑون مین بسنے والون کی طرح
اپنی آزادی کو ہاتھ سے نہین کھویا ہے۔ یہ چوپائے اس لیے بیخوف سیر کرتے
پھرتے ہین کہ انھین یہان شکاریون کا بھی ڈر نہین۔ مسافر نہایت ہی خود رفتہ
ہو ہو کر ان کیفیتون کو دیکھ رہا ہے۔ اور جب یہ خیال کرتا ہے کہ یہ وہ مقام ہے
جہان کسی کی حکومت نہین۔ اور وہ زمین ہے جس کا کوئی محصول لینے والا نہین۔
یہ سادگی کا سمان دل مین آزادی کا ایک جوش پیدا کرتا ہے اور وہ جوش جسقدر
اس غیر آباد مقام سے مناسب ہے کسی مقام سے نہین۔ یہان جو چیز نظر آتی ہے
آزاد ہوتی ہے۔ درخت بے تکلفی سے ہر مقام پر اُگ آتے ہین۔ باغبان نے
کوئی ایسی حدین نہین قائم کی ہین جن کے باہر اُگتا دنیا کی ہوا کھاتے ہی اُنکا خاتمہ
کر دے۔ چونکہ کسی قسم کی کاٹ چھانٹ نہین کی جاتی ہے اس لیے وہ بیساختگی
کے ساتھ دست شوق کی ٹہنیان پھیلا دیتے ہین۔ ٹھنڈی ہوا کے آزاد جھونکے
پاک و صاف چشمون سے تازگی کی کیفیت حاصل کرتے ہوے آتے ہیں اور یہ
ٹہنیان جھوم جاتی ہین۔ درختون کی یہ خوش آیند حرکت نازک دماغ طیور کو ناگوار
گذر جاتی ہے۔ وہ اُڑ کر کسی اور مقام پر جا بیٹھتے ہین اور اپنے جانفزا نغمون کو
اُن جھونکون کے ساتھ دامن کوہ مین پھیلا دیتے ہین۔ پہاڑ گونج اٹھتا ہے اور
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قدرتی فرشتہ اُن نغمہ سنج طیور کے ساتھ سُر ملا رہا ہے۔ یہ
وہ سمان ہے جو خواہ مخواہ دل کو فریفتہ کر لیتا ہے۔ اور انسان اگر کبھی اس
نمایش گاہ قدرت مین پہونچ جاتا ہے تو بمشکل واپس آسکتا ہے۔

تارون بھری رات مین کسی وسیع میدان مین جا کے کھڑے ہو جاؤ تو عجب
سین نظر آئے۔ رات کے سیاہ آسمان مین چمکدار تارون کی روشنی بزم قدرت کی
عجب بہار دکھایا کرتی ہے۔ اُسوقت کا آسمان اُسوقت کی زمین اُسوقت
کے درختون پر دور دور شہابی روشنی کا دکھائی دینا۔ یہ ایسی چیزین ہین جنھین

ایک خاص قسم کی دلچسپی ہے جو دنیا میں بعض نہیں نظر آسکتی۔

خود انسان کے حالات کا اندازہ کرو تو وہ حالات جو تکلفات دنیاوی سے بالکل پاک ہیں انتہا سے زیادہ دلفریب نظر آئیں گے۔ وہ ابتدائی زمانہ جب نسل انسانی میں دنیاوی کاریگریوں کا زیادہ رواج نہیں ہونے پایا تھا ایسا زمانہ تھا کہ تواریخ کے صفحات اُلٹ اُلٹ کر جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو دل بے تحاشا اُس زمانے کی باتوں کا والہ و شیدا ہو جاتا ہے۔ اُن اگلے لوگوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ قدرت کے تحفے یعنی درختوں کے پھل اُن کی بے محنت غذا تھی۔ پہلے تو کچھ اس کی بھی پروا نہ تھی کہ ننگے ہیں۔ اور جب کچھ خیال آیا تو درختوں کے پتے ستر پوشی کا کام دینے لگے۔ ایک بسیط اور سادی زندگی تھی جس کا نہ غم تھا نہ کچھ خوشی تھی۔ جہاں تک نگر کرکے دیکھتے ہیں یہی معلوم ہوتا ہے اُن کے پاس کچھ نہ تھا۔ مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ آج ہمیں اُن پر حسد معلوم ہوتا ہے۔

وہ کوہ قاف کی دلربا پری یعنی سرکیشیا کی بھولی دوشیزہ لڑکی جس نے دنیا سے بہت لطف اُٹھایا ہے سادگی اُسکا لباس ہے اور بھولاپن اُسکے زیور ہیں۔ پہاڑ کے دامنوں میں آزادی سے سیر کرتی پھرتی ہے۔ نہروں کے کنارے بیٹھ کر ہاتھ منہ دھوتی ہے اور اُس حُسن کو ابھارتی ہے جس پر دنیاوی کاریگری کے مصوروں نے کبھی قلم نہیں لگایا ہے۔ اُس کا حسن تکلفات سے بالکل بری ہے وہ اپنے دل میں اُن چیزوں کی تمنا بھی نہیں رکھتی جو بناوٹ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اِس سادگی نے اُس کے حسن کو دنیا بھر میں مشہور کر دیا۔ عام خیالات اُس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور آخر اسکو مجبور ہونا پڑا کہ اپنی آزادی کے مقام کو چھوڑ دے۔ اور آخر اُس کو مجبور ہونا پڑا کہ اپنی آزادی کے مقام کو چھوڑ دے نہایت حسرت کے ساتھ اُن پہاڑوں سے۔ اُن گھاٹیوں اور اُن میدانوں کو رخصت کرتی جس کے چند روز بعد ہی لڑکی امرائے ترک اور [illegible] کے محلوں کو رونق دیتی ہے۔ جہاں تھوڑی ہی مدت میں دنیاوی تکلفات اُس کے حسن کے قدرتی جذبات کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔

تو مذہب کی مشرقی پر نظر ڈالو۔ اور دیکھو اُن کی ابتدا کس بے تکلفی کی خبر دے رہی ہے۔ وہ قدیم زمانہ جب آریہ لوگ پہلے پہل ہندوستان مین آئے تھے اور وہ ہندوستان کا قدیم زمانہ جب وہان ایک آزاد قوم آباد تھی۔ اور پہاڑون کے دامنون مین اور دریاؤن کے کنارون پر [illegible] کھیلتی پھرتی تھی کیسا سادہ زمانہ تھا۔ نہ بناوٹ کے نمونے تھے نہ تکلف کے کرشمے تھے۔ نہ آبادی کا نام تھا۔ نہ تمدن کا نشان تھا۔ بس ایک خدا کی مخلوق تھی جو اپنی بے تکلفی اور آزادی کے جوش مین خود اُسے بھی بھولی ہوئی تھی۔

عرب کی سادگی پر غور کرو تو سب سے زیادہ حیرت ہو۔ ریگستان۔ بے سبزے کے پہاڑ۔ کھجورون کے جھنڈ اور ببول کے جنگل۔ بس یہی ایک ہدیہ تھے جو خدا کی جانب سے اُس صحرا مین آ نکلنے والون کے سامنے پیش کیے گئے تھے اور خصوصاً وہ ابتدائی زمانہ جب پہلے پہل یہ ہدیہ اُس بیکس بچے والی عورت کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ جس کو اُس کا شوہر اُس صحرا مین تنہا چھوڑ گیا تھا۔ بچے کی پیاس سے حیران ہوکر وہ عورت صفا و مروہ پہاڑون پر "العطش العطش" کہتی ہوئی دوڑی تھی۔ اور پانی کو ڈھونڈھتی تھی مگر نہین ملتا تھا۔ آخر وہ بچہ ریگ کے تودون سے کھیل کھیل کر اور سنگستانی میدان مین گر گر کر بڑا ہوا اور ایک مشہور قوم اور مذہب کا بانی ہوا جو دنیا مین بہت مشہور ہے یہ اُسی مقام کا ذکر ہے جہان اب مکہ آباد ہے۔ اسلام کی پرورش بالکل سادگی کی حالت اور نیچر کے بہت سادے منظر مین ہوئی۔ وہی قوم جسکے سفیر اور ایلچی اپنے سادے بے تکلف اور پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوے بے تکلف قیاصرہ کے دربار مین جاتے تھے اور ساسانیون کے تخت کی خبر لیتے تھے۔ عرب کی ابتدائی سادگی سب جگہون سے کچھ بڑھی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہان کے لوگون کا جوش بھی سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اُنکو اس سے قطعی نفرت تھی کہ دنیاوی زندگی دولتمندی کے تکلفون سے خراب کیجائے۔ جبتک یہ خیال اُن مین قائم رہا وہ نہایت ہی قوی رہے اور دنیا بھر مین اُنکی دھاک بیٹھی رہی۔ مگر جس وقت سے اورون کی طرح اُن مین بھی تکلفات شروع ہوے وہ خراب ہوگئے اُنکے جوش مین کمی آگئی [illegible] جاتی رہی۔ [illegible] خدا اُن مین پھر وہی سادگی کا جوش پیدا کرے۔